## ابتدائیہ

## 2005ء میں مختلف ملکوں میں انسانی حقوق کی صورتحال کے بارے میں رپورٹیں

جاری کردہ: ادارہ برائے جمہوریت، انسانی حقوق اور محنت

8مارچ 2006ء

تمام مردوزن کی یہ خواہش ہے اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ عزت و وقار اور آزادی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ جیسا کہ صدر بش نے کہا ہے کہ " آزادی کا فروغ ہمارے دور کا اہم واقعہ ہے" انسانی حقوق اور جمہوریت کا فروغ ایک عالمگیر حقیقت ہے اور جمہوری نظم و نسق کے ذریعے جمہوریت اور عالمگیر اقدار کے تحفظ کے معاملے پر دنیا بھر میں بحث و تمحیص بڑھتی جارہی ہے۔

جمہوری حکومتوں سے یہ بڑھتا ہؤا مطالبہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انسانی حقوق کی بہترین ضامن، ایسی ترقی پذیر جمہوریت ہوتی ہے جو عوامی نمائندوں، قابل مواخذہ سرکاری اداروں، قانون کی حکمرانی کے تحت یکساں حقوق کی فراہمی، مضبوط سول معاشرے، کثیر جماعتی نظام اور آزاد ذرائع ابلاغ پر مشتمل ہو۔

امریکہ اور دیگر آزاد قوموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق کا دفاع کریں اور جمہوریت کے ثمرات عام کرنے میں مدد دیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ایسے جمہوری اداروں کی ترقی میں ملکوں کی مدد کریں جو پائیدار بنیادوں پر انسانی حقوق کا احترام یقینی بنائیں۔ ہمیں عوام کو بہتر زندگی فراہم کرنے میں کمزور جمہوری ملکوں کی مدد کرنی چاہیئے۔ ہمیں ان ملکوں پر، جو انسانی حقوق کے بارے میں اپنے وعدوں سے انحراف کریں، زور دینا چاہیئے کہ وہ اس بارے میں جواب دیں۔ ہمیں دنیا کے ان دلیر خواتین اور مردوں کا ہمیشہ ساتھ دینا چاہیئے جن کا آزادی کا خواب ابھی تک پورا نہیں ہؤا۔

انسانی حقوق اور جمہوری اصولوں کا دفاع کرتے اور انہیں آگے بڑھاتے ہوئے، ہمیں اپنے ملک کی درخشاں اقدار پر یقین رکھنا چاہیئے اور پائیدار امن کی بنیاد رکھنی چاہیئے۔ انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے عالمی اعلان کے مقاصد کے حصول اور دنیا بھر میں فعال جمہوریتوں کے قیام کیلئے کئی نسلیں درکار ہوں گی۔ تاہم یہ انتہائی فوری نوعیت کا کام ہے اور اسے موخر نہیں کیا جاسکتا۔

ان خیالات کے ساتھ مجھے، مختلف ملکوں میں انسانی حقوق کے بارے میں محکمہ خارجہ کی رپورٹ 2005ء امریکی کانگریس کو بھیجنے پر خوشی ہے۔

کونڈولیزا رائس

وزیر خارجہ

# تعارف

## 2005 میں مختلف ملکوں میں انسانی حقوق کی صورتحال کے بارے میں رپورٹیں

## جاری کردہ: ادارہ برائے جمہوریت' انسانی حقوق اور محنت

## 8 مارچ' 2006

ان رپورٹوں میں انسانی حقوق کے بارے میں 196 ملکوں کی کارکردگی کا احاطہ کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے بین الاقوامی وعدوں کی پاسداری کے سلسلے میں ظاہر کی ہے۔ ان بنیادی حقوق کی عکاسی انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے عالمی اعلان سے ہوتی ہے' جنھیں ہر ثقافت' ہر رنگ و نسل اور ہر پس منظر کے حامل لوگوں اور ہر عقیدے کے ماننے والوں نے قبول کیا ہے اور صدر بش کے بقول یہ انسانی عزت و وقار کے ایسے مطالبات ہیں جن پر کوئی سودے بازی نہیں ہوسکتی۔

محکمہ خارجہ نے اس سلسلے میں پہلی رپورٹیں' کانگریس کی جانب سے دیئے گئے اختیارات کے تحت 1977 میں شائع کیں۔ یہ رپورٹیں دنیا بھر میں انسانی حقوق کے احترام کے فروغ کیلئے امریکی کوششوں کا لازمی جزو بن گئیں ہیں۔ تقریباً تین عشروں تک یہ رپورٹیں' حوالہ جاتی دستاویزات اور ان حکومتوں' تنظیموں اور افراد کے درمیان اشتراک عمل کی بنیاد کا کام دیتی رہیں جو سب کیلئے بنیادی حقوق کے تحفظ کیلئے استحصال کے خاتمے اور ملکوں کی استعداد بڑھانے کیلئے کوشاں تھے۔

دنیا بھر میں انسانی حقوق کیلئے سرگرم عمل ہونا' کسی ملک کے باشندوں پر غیر ملکی اقدار مسلط کرنے یا کسی ملک کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کے مترادف نہیں۔ عالمی اعلان میں ہر فرد اور معاشرے کے شعبے پر زور دیا گیا ہے کہ وہ ان حقوق اور آزادیوں کے احترام کو فروغ دے اور ان حقوق اور آزادیوں کی موثر فراہمی کیلئے قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر اقدامات کئے جائیں۔

صدر بش نے اس بات کا عزم کر رکھا ہے کہ امریکہ دیگر جمہوری ملکوں اور دنیا بھر میں خیر سگالی کا جذبہ رکھنے والے مردوزن کے ساتھ مل کر اس تاریخی طویل المیعاد مقصد کے حصول اور دنیا سے ظلم و جبر کے خاتمے کیلئے کام کرے گا۔

یہ بات طے ہے کہ جمہوری ملکوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں اور عدل و انصاف کا فقدان ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ کوئی بھی حکومتی نظام خامیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کے جمہوری ملکوں میں انسانی حقوق کی صورتحال میں خاصا فرق ہے اور مختلف ملکوں خاص طور پر اُن ملکوں کے بارے میں' جہاں جمہوری نظام کی جڑیں گہری ہیں اور وسائل کی کمی کے باعث یہ ملک انسانی حقوق کی فراہمی سمیت اپنے عوام سے کئے گئے وعدے پورے نہیں کر سکتے' ان رپورٹوں سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے۔ جمہوری تبدیلیاں پُر آشوب اور تشدد آمیز ہوسکتی ہیں اور جمہوری ملکوں میں بہت زیادہ بدعنوانی سے جمہوری نشوونما' عدالتی عمل اور لوگوں کے اعتماد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کے باوجود غیر جمہوری ملکوں کے مقابلے میں جمہوری ملک' انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کہیں زیادہ تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

سب کے لئے آزادی اور انصاف کی جانب امریکہ کا اپنا سفر طویل اور دشوار ہے اور یہ مکمل ہونے میں ابھی خاصا وقت لگے گا۔ تاہم' برس ہا برس سے ہماری حکومت کے آزاد شعبوں' ہمارے آزاد ذرائع ابلاغ' دنیا کیلئے ہماری فراخدلی اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ ہمارے زود رنج محب وطن لوگوں کے عزم و حوصلے سے ہمیں اپنے بنیادی تصورات پر کاربند رہنے اور انسانی حقوق سے متعلق اپنی بین الاقوامی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مدد ملی ہے۔

ان رپورٹوں سے ایسی حقیقی بنیاد فراہم ہوتی ہے جس سے انسانی حقوق کے بارے میں پیش رفت اور درپیش چیلنجوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان رپورٹوں میں 2005 کے سال میں ہر ملک کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کسی ملک کی کارکردگی کا موازنہ دوسرے ملک کی کارکردگی سے نہیں کیا گیا۔ اگرچہ ہر ملک کے بارے میں رپورٹ سے

صرف اس ملک کی حقیقی صورتحال واضح ہوتی ہے تاہم ان رپورٹوں سے مجموعی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔مخصوص ملکی مثالوں کی مدد سے ذیل میں چھ وسیع البنیاد جائزے لئے گئے ہیں۔ان مثالوں سے مجموعی صورتحال کو نہیں بلکہ مخصوص حالات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

**اوّل' وہ ملک جن میں عنان اختیار ایسے نا قابل مواخذہ حکمرانوں کے ہاتھوں میں ہے جن کا شمار دنیا میں انسانی حقوق کی منظم انداز میں سب سے زیادہ خلاف ورزیاں کرنے والوں میں ہوتا ہے۔**

ان ملکوں میں مطلق العنانیت سے لیکر آمریت تک کے نظام رائج ہیں۔مطلق العنانیت میں لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے مکمل طور پر محروم رکھا جاتا ہے جبکہ آمریت میں بنیادی حقوق کے استعمال پر کڑی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔

2005 میں عوامی جمہوریہ کوریا (DPRK یا شمالی کوریا) بدستور دنیا کا ایک الگ تھلگ ملک تھا۔اپنے عوام پر منظم انداز میں مظالم ڈھانے والی اس ملک کی حکومت نے لوگوں کی زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں پر کنٹرول برقرار رکھا اور لوگ اظہار رائے' مذہبی رسوم' پریس' جلسے جلوسوں' میل جول اور نقل وحرکت کی آزادی اور کارکن اپنے حقوق سے محروم رہے۔دسمبر 2005 میں ملک میں موجود بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں میں نمایاں طور پر کمی کرنے کی وجہ سے شمالی کوریا پہلے سے زیادہ الگ تھلگ ہو گیا۔

برما میں جہاں فوجی حکمرانوں کا آمرانہ اقتدار قائم ہے' جمہوری اصلاحات اور انسانی حقوق کا احترام کرنے کے وعدوں کی آڑ میں لوگوں پر ظلم وجبر کا سلسلہ جاری رہا۔ ملک میں جبری مشقت' انسانی سمگلنگ' فوجی کی حیثیت سے بچوں کے استعمال اور مذہبی امتیاز کے مسائل بدستور باعث تشویش ہیں۔فوج کی طرف سے خواتین کی بے حرمتی' تشدد' ہلاکتوں مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی جبراً بے دخلی کی منظم کارروائیاں جاری ہیں۔انتظامیہ' نوبل انعام یافتہ اور حزب اختلاف کی لیڈر آنگ سان سوکوئی (جنھیں کسی الزام کے بغیر نظر بند رکھا گیا) سمیت سیاسی کارکنوں پر نگاہ رکھنے' ہراساں کرنے اور انہیں قید کرنے کی کارروائیوں کے ذریعے اپنا تسلط برقرار رکھے ہوئے ہے۔

ایرانی حکومت کا انسانی حقوق اور جمہوریت کے بارے میں ریکارڈ' جو پہلے ہی خراب تھا' 2005 میں اور خراب ہو گیا۔جون کے صدارتی انتخابات میں ملک کی گارڈین کونسل نے انتخاب لڑنے والی ایک ہزار سے کچھ زیادہ خواتین کو انتخابی عمل سے خارج کر دیا۔سخت گیر موقف رکھنے والے ملک کے نئے منتخب صدر نے جنگ عظیم دوم میں یہودیوں کے قتل عام کے واقعے سے انکار کیا اور اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ضرورت پر زور دیا۔حکمران مذہبی پیشواؤں اور صدر نے جیلوں میں سینکڑوں سیاسی قیدیوں کی حالت زار کو نظر انداز کرتے ہوئے آزادی صحافت پر مزید پابندی عائد کر دی اور سماجی اور سیاسی آزادیوں کو بتدریج ختم کرنا شروع کر دیا۔مقدمہ چلائے بغیر ہلاکتوں' مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں' نسل اور مذہب کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنے اور لوگوں کو غائب کرانے کی کارروائیاں' انتہا پسندوں کی لاقانونیت اور تشدد کے استعمال اور لوگوں سے ہتک آمیز برتاؤ کا سلسلہ جاری رہا۔

زمبابوے میں حکومت نے انسانی عزت و وقار اور بنیادی آزادیوں کو نقصان پہنچانے اور سول معاشرے اور غیر سرکاری تنظیموں پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور مارچ کے پارلیمانی انتخابات میں دھاندلی کی۔حزب اختلاف کے ارکان پر تشدد اور بے حرمتی سمیت ان کا استحصال کیا گیا۔نئی آئینی ترامیم سے حکومت کو لوگوں کے ملک سے باہر جانے پر پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا' اراضی حاصل کرنے کے پروگرام میں تمام اراضی کے ملکیتی حقوق حکومت کو منتقل ہو گئے اور اراضی کے حصول کو عدالت میں چیلنج کرنے کا حق ختم ہو گیا۔حکومت کے آپریشن بحال کرنے کے حکم سے' جو مبینہ طور پر غیر قانونی مکانات اور کاروباری اداروں کی عمارتوں کو منہدم کرنے کیلئے جاری کیا گیا تھا' 700,000 سے زائد لوگ بے گھر ہو گئے یا ان کیلئے روزگار کے مواقع ختم ہو گئے جس سے ملک کی کمزور معیشت پر دباؤ اور بڑھ گیا۔

کیوبا میں انتظامیہ نے کمیونسٹ پارٹی اور سرکاری عوامی اداروں کے ذریعے زندگی کے تمام پہلوؤں پر کنٹرول برقرار رکھا۔انتظامیہ نے واریلا منصوبے جیسی جمہوری اصلاحات مسترد کر دیں۔منصوبے کے تحت قومی ریفرنڈم کرانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔واریلا کے علمبرداروں کو گرفتار کیا گیا' قید کیا گیا' ان پر جرمانہ عائد کیا گیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا گیا۔اس کے علاوہ حکومت نے کم سے کم 333 سیاسی کارکنوں کو حراست میں لیا۔

انسانی حقوق سے متعلق چین کا ریکارڈ بدستور خراب رہا اور حکومت نے سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جن لوگوں نے حکومت کی پالیسیوں یا نظریات کے خلاف آواز اٹھائی یا سرکاری اختیارات کے خلاف احتجاج کیا انہیں حکومت اور سیکیورٹی حکام نے ہراساں کیا' نظر بند کیا یا قید میں ڈال دیا۔ لوگوں کی بے چینی اور شکایات دور کرنے کا مطالبہ منوانے کیلئے احتجاجی مظاہروں میں اضافہ ہوا اور ایسے کئی واقعات کو تشدد کے ذریعے کچل دیا گیا۔ عدلیہ کے اختیارات بڑھانے اور پولیس اور سیکیورٹی فورسز کے صوابدیدی اختیارات کم کرنے کے اقدامات روک دیئے گئے۔ ذرائع ابلاغ اور انٹرنیٹ پر پابندی برقرار رکھی گئی۔ اقلیتی گروپوں بالخصوص ویگور (VIGHUR) اور تبت کے باشندوں پر مظالم کا سلسلہ جاری رہا۔ مذہبی امور کے بارے میں نئے قوانین منظور کیئے گئے جن کی رو سے رجسٹرڈ مذہبی گروپوں کی بعض رسومات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ تاہم غیر رجسٹرڈ مذہبی گروپوں کے خلاف ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری ہے جیسا کہ مذہبی تحریک فالون گونگ (FALUN GONG) کے ارکان کے خلاف مظالم سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیلا رس کے صدر لوکاشنکو نے اپنے اور اپنی آمرانہ انتظامیہ کے پاس اختیارات مرتکز کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حزب اختلاف کے سیاستدانوں' آزاد ٹریڈ یونینوں کے لیڈروں' طلبا اور اخباری مدیران سمیت جمہوریت کے حامیوں کو لوکاشنکو اور اس کی انتظامیہ پر نکتہ چینی کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا' ان پر جرمانہ کیا گیا اور انہیں قید کی سزا دی گئی۔ اس کی حکومت نے غیر سرکاری تنظیموں' آزاد ذرائع ابلاغ' سیاسی جماعتوں اور اقلیتی اور مذہبی تنظیموں کے خلاف ٹیکس معائنے اور رجسٹریشن سے متعلق نئے قوانین کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا تا کہ وہ قانونی طور پر کام نہ کر سکیں یا ان کے کام میں پیچیدگیاں پیدا ہوں۔

دوم' انسانی حقوق اور جمہوریت کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور دونوں طویل المیعاد استحکام اور سلامتی کیلئے ضروری ہیں۔ آزاد اور جمہوری ملک اپنے شہریوں کے حقوق کا جو احترام کرتے ہیں' اس سے پائیدار امن کے لئے بنیاد قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے برعکس وہ ملک جو منظم انداز میں اپنے لوگوں کے انسانی حقوق پامال کرتے ہیں وہ اپنے پڑوسی ملکوں اور عالمی برادری کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

برما کے معاملے میں' وہاں کے عوام کو ان کے بنیادی حقوق' جمہوریت کی راہ پر ملک کے دوبارہ گامزن ہونے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ فوجی انتظامیہ 1990 میں ہونے والے قانون ساز اسمبلی کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہیں کرتی۔ انتظامیہ کے ظالمانہ اقدامات کی برما کے لوگوں کو بے پناہ مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ برما کے پڑوسی ملکوں کیلئے کئی مسائل پیدا ہوئے ہیں جن میں پناہ گزینوں کے داخلے سے لیکر متعدی بیماریوں کے پھوٹنے اور منشیات اور انسانی سمگلنگ تک کے مسائل شامل ہیں۔ 16 دسمبر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے برما کی صورتحال پر نہایت اہم بحث کی۔

عوامی جمہوریہ کوریا ایک اور مثال ہے۔ جزیرہ نما کوریا جب عوامی جمہوریہ کوریا اور جمہوریہ کوریا (شمالی اور جنوبی کوریا) میں منقسم ہوا تو دونوں کی اقتصادی صورتحال یکساں تھی اور آمریت قائم تھی۔ سیاسی اور اقتصادی آزادی نے دونوں حصوں میں نمایاں فرق پیدا کر دیا۔ اس وقت' شمالی کوریا کے عوام بیشتر بنیادی آزادیوں سے محروم ہیں جبکہ انتظامیہ کی آمریت کی وجہ سے ہزاروں لوگ دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ حکومت نے منشیات کی سمگلنگ' کرنسی اور سگریٹ جیسی اشیا کی جعل سازی اور سمگلنگ سمیت غیر قانونی سرگرمیوں سے رقوم حاصل کیں۔ انتظامیہ نے ملک کا ایٹمی پروگرام ختم کرنے کے بارے میں عالمی برادری کی بار بار کی اپیلوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔

ایرانی حکومت نے ایک ذمہ دار اور جواب دہ حکومت کے قیام کے بارے میں اپنے عوام کے مطالبے کو مسلسل نظر انداز کیا' ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کی خطرناک پالیسیاں اور دہشت گرد تنظیموں کی امداد جاری رکھی اور اقوام متحدہ کے ایک رکن ملک کو تباہ کرنے پر زور دیا۔ اس کا اظہار نئے ایرانی صدر نے عوامی جلسوں میں اپنی کئی تقاریر میں بھی کیا۔ اپنے عوام کو بنیادی حقوق سے محروم رکھنے' عراق میں مداخلت' حزب اللہ' حماس اور دوسری دہشت گرد تنظیموں کی حمایت اور ان مسئلوں کو تعمیری انداز میں حل کرنے سے ایران کے انکار کی وجہ سے وہ عالمی برادری سے الگ تھلگ ہو کر رہ گیا ہے۔

اسی طرح شام کی حکومت نے اپنے عوام کی بنیادی آزادیوں کا احترام کرنے اور اپنے پڑوسی ملکوں کے امور میں مداخلت بند کرنے کے بارے میں بین الاقوامی اپیلوں کو مسترد کیا ہے۔ شام حزب اللہ' حماس اور فلسطینیوں کی دوسری دہشت گرد تنظیموں کی امداد جاری رکھی اور اس نے بیروت میں لبنان کے سابق وزیر اعظم رفیق حریری کے قتل کے واقعے کے بارے میں اقوام متحدہ کے آزادانہ بین الاقوامی تحقیقاتی کمیشن سے مکمل تعاون نہیں کیا۔ کمیشن کے اعلیٰ تحقیقاتی نمائندے کی اطلاعات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ تحقیقات کے دوران قتل کے اس واقعے میں شامی حکام کے ملوث ہونے کے بارے میں ثبوت ملے ہیں۔ نمائندے نے یہ بات واضح کی کہ شامی حکام نے اس واقعے میں تعاون

کرنے کی آڑ میں تحقیقاتی نمائندوں کو جان بوجھ کر گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

اس کے برعکس بحیرہ بلقان کے ملکوں میں پچھلے کئی برسوں کے دوران انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کی صورتحال میں مجموعی بہتری کی وجہ سے خطے کے استحکام اور سلامتی میں بڑی مدد ملی ہے۔ جمہوری حکومتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ جنگی مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کی جا رہی ہے، بڑی تعداد میں بے گھر لوگ اپنے وطن واپس لوٹ گئے ہیں، بین الاقوامی معیار کے مطابق انتخابات کا انعقاد کیا جا رہا ہے اور تنازعے کے بعد کے مسائل اور علاقائی معاملات حل کرنے کیلئے پڑوسی ملکوں کے درمیان تعاون بڑھ رہا ہے۔ سابق یوگوسلاویہ کے کئی ملکوں نے جنگی جرائم کے ملزموں کو مقامی عدالتوں کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے میں پیش رفت حاصل کی ہے جو قومی مصالحت اور علاقائی استحکام کیلئے بہت اہم ہے۔ تاہم 2005 کے اختتام تک جنگی جرائم میں ملوث دو انتہائی مطلوب افراد ادووان کرازچ اور رتکو ملازچ بدستور مفرور ہیں۔

سوم ، **بعض حکومتوں نے داخلی اور سرحد پار مسلح تنازعات کی صورتحال میں انسانی حقوق کی انتہائی سنگین خلاف ورزیاں کی ہیں** ۔ 2003 میں سوڈان کی حکومت نے جنجاوید ملیشیا کو مسلح کر کے دارفور کے علاقے میں افریقی باغیوں کی جدوجہد کو کچلنے کی کوشش کی اور ملیشیا کو علاقے میں تباہی اور لوٹ مار کی کھلی چھوٹ دی جس سے سنگین تنازعہ پیدا ہو گیا۔ ستمبر 2004 میں محکمہ خارجہ نے دارفور کے علاقے میں نسل کشی کی کارروائیوں کا تعین کیا۔ یہ کارروائیاں 2005 میں بھی جاری رہیں۔ 2005 کے آخر تک کم از کم 70 ہزار افراد ہلاک، تقریباً 20 لاکھ بے گھر اور دو لاکھ سے زائد پڑوسی ملک چاڈ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ دارفور میں تشدد کی منظم کارروائیاں بڑے پیمانے پر کی گئیں ان میں خواتین کی بے حرمتی سمیت ان کے خلاف تشدد کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس کے علاوہ خواتین اپنے گھر بار چھوڑ کر صحرائی علاقوں سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں جن کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ سوڈان کی حکومت اور سوڈان پیپلز لبریشن موومنٹ کے درمیان ایک جامع امن سمجھوتے پر دستخط کیے گئے جس سے جولائی میں ملکی آئین کی منظوری دینے اور 2009 تک کیلئے قومی اتحاد کی حکومت تشکیل دینے کی راہ ہموار ہوئی۔ افریقی یونین نے دارفور کے علاقے میں 7 ہزار فوجی تعینات کیے جس سے علاقے میں تشدد کے تمام تو نہیں لیکن کچھ واقعات پر قابو پانے میں مدد ملی۔ 2005 کے آخر تک حکومت کی حمایت سے لوگوں پر جنجاوید کے حملے جاری رہے۔

نیپال کا انسانی حقوق سے متعلق خراب ریکارڈ مزید خراب ہو گیا۔ حکومت نے فروری اور اپریل میں ہنگامی حالت کے اعلان کے دوران اور اس کے بعد کئی سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہنگامی حالت کے اعلان سے حبس بے جا کے خلاف اپیل کے حق کے سوا تمام بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے۔ بعض صورتوں میں حکومت نے سپریم کورٹ کی جانب سے حبس بیجا کے خلاف جاری ہونے والے احکامات کی خلاف ورزی کی اور اکثر و بیشتر طلبا اور سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ ماؤ نواز باغیوں نے بھی تشدد، ہلاکتوں، بم حملوں، بچوں کو فوجی کے طور پر استعمال کرنے، اغوا، لوٹ مار اور سکولوں اور کاروبار کو جبراً بند کرانے کا سلسلہ جاری رکھا۔

کوٹ ڈی آئیوری میں ملک کی تقسیم کیلئے جاری سیاسی بحران کی وجہ سے 2005 کے دوران ملک میں مزید خلاف ورزیاں کی گئیں جن میں حکومت اور باغی سیکیورٹی فورسز کی طرف سے بے حرمتی، تشدد اور ماورائے عدالت ہلاکتیں شامل ہیں۔ باغیوں کی جانب سے بچوں کی فوجی بھرتی کے بارے میں بعض اطلاعات بھی ملیں۔ تاہم کئی بچوں کو بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ سیاسی مخالفین کے خلاف تشدد اور تشدد کی دھمکیاں جاری رہیں۔ بین الاقوامی برادری اور افریقی یونین کی مسلسل کوششوں کے باوجود اختیارات کی تقسیم پر مبنی حکومت قائم کرنے کا سیاسی عمل بدستور معطل رہا۔ ستمبر کے آخر تک 30 اکتوبر کے انتخابات کیلئے کوئی تیاریاں نہیں کی گئیں اور نئے فوجی باغی گروپ کو غیر مسلح کرنے کا کام شروع نہیں کیا گیا۔ 6 اکتوبر کو افریقی یونین نے صدر لوران گباگو کے عہدے کی مدت میں ایک سال کا اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

چیچنیا اور روس کے شمالی کوہ قاف کے علاقے میں وفاقی فوجوں اور روس کی حامی چیچن فوجوں نے تشدد، سمری ہلاکتوں، لوگوں کو غائب کرانے اور غیر قانونی حراستوں سمیت انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعض اوقات روس کے حامی چیچن پیراملٹری دستوں نے روسی کمان کے تحت آزادانہ کارروائیاں کیں اور اس بات کے کوئی ثبوت نہیں ملے کہ وفاقی حکام نے ان پر کنٹرول کرنے کی کوئی موثر کوشش کی ہو یا انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر ان کا مواخذہ کیا ہو۔ شمالی کوہ قاف میں حکومت مخالف فوجوں نے بھی دہشت گردانہ بم حملوں اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ 2005 کے دوران پورے علاقے میں، جہاں مجموعی لحاظ سے لاقانونیت اور بدعنوانی کا دور دورہ رہا، تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔

وسطی افریقہ کے علاقے گریٹ لیکس میں، جو جمہوریہ کانگو، روانڈا، برونڈی اور یوگنڈا پر مشتمل ہے، دس برس سے زیادہ عرصے سے خانہ جنگی، بڑے پیمانے پر نسلی فسادات

اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شدید تنازعات جاری رہے۔ تاہم' 2005 میں مجموعی لحاظ سے تشدد کے واقعات کم ہوئے اور انسانی حقوق کی صورتحال میں نمایاں بہتری آئی جس سے ہزاروں بے گھر افراد بالخصوص برونڈی کے لوگوں کو وطن واپس لوٹنے کا حوصلہ ملا۔ برونڈی میں چار سالہ عبوری دور مکمل ہوا اور جمہوریہ کانگو میں انتخابات کے سلسلے میں تاریخی پیش رفت ہوئی۔ گریٹ لیکس کے علاقے کی حکومتوں نے اپنی فوجوں اور مختلف باغی گروپوں میں ہزاروں بچوں سے فوجی کی حیثیت سے خدمات لینے کا سلسلہ ختم کرانے میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ دریں اثناء مشرقی کانگو میں قائم مختلف مسلح گروپوں نے جمہوریہ کانگو میں مسلح گروپوں کو توڑنے کیلئے اقوام متحدہ کے تعاون سے کانگو کی فوجی کارروائیوں کے باوجود خطے کو غیر مستحکم کرنے اور سٹریٹیجک اور قدرتی وسائل حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ روانڈا' یوگنڈا اور برونڈی کے ہزاروں باغیوں نے' جن میں 1994 میں نسل کشی کی کارروائیاں کرنے والے روانڈا کے باغی بھی شامل ہیں' اپنے ملکوں کی حکومتوں کی مخالفت جاری رکھی' جمہوریہ کانگو میں لوگوں پر حملے کئے اور بالخصوص عورتوں اور بچوں کے انسانی حقوق کی کئی سنگین خلاف ورزیاں کیں۔ روانڈا اور یوگنڈا کی حکومتوں نے مشرقی کانگو میں انسانی حقوق پامال کرنے والے مسلح گروپوں کو مبینہ طور پر ہتھیار غیر قانونی طریقے سے فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

کولمبیا میں 41 سال سے جاری خانہ جنگی سے متعلق انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جاری رہیں۔ تاہم غیر قانونی مسلح گروپوں کے خلاف کی فوجی کارروائیوں اور نیم فوجی دستوں کو ختم کرنے کے جاری سلسلے سے ہلاکتوں اور اغوا کے واقعات کم کرنے میں مدد ملی ہے۔ کولمبیا نے مخالفین کو مورد الزام ٹھہرانے کے نئے فوجداری ضابطے کے نفاذ کا چار سالہ عمل بھی شروع کیا۔ تاہم ان لوگوں خصوصاً ماضی میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے مرتکب اہلکاروں کے علاوہ نیم فوجی دستوں کے اشتراک سے کارروائیاں کرنے والے بعض فوجی ارکان کی سزا سے چھوٹ اس عمل میں بدستور ایک بڑی رکاوٹ رہی۔

چہارم' ایسے ملک جہاں سول معاشرے اور آزاد ذرائع ابلاغ پر پابندیاں ہوں اور اظہار رائے' جماعت سازی اور جلسے جلوسوں کی بنیادی آزادیوں کو نقصان پہنچایا گیا ہو۔ ایک مضبوط سول معاشرے اور آزاد ذرائع ابلاغ سے ایسے حالات پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے جن میں انسانی حقوق کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کیلئے لوگوں میں ان کے حقوق کا شعور اجاگر کیا جاتا ہے' ان حقوق کی خلاف ورزیوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے' اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے اور حکومتوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔

حکومتوں کو استحصال نہیں بلکہ دفاع کرنا چاہیئے۔ ذرائع ابلاغ اور سول معاشرے کے ارکان کی طرف سے بنیادی آزادیوں کا پر امن استعمال' خواہ وہ حکومتوں کے خیالات اور اقدامات سے اتفاق نہ کرتے ہوں۔ ایسی آزادیوں پر قانونی پابندیاں عائد کرنے کا جواز صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہ پابندیاں' محض انسانی حقوق سلب کرنے کیلئے نہیں بلکہ ان حقوق کے بارے میں ملکی ذمہ داریوں کے مطابق ہونی چاہئیں۔

ملک جب قانون کو سیاسی ہتھیار یا سول معاشرے اور ذرائع ابلاغ کے خلاف ظالمانہ ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کریں تو وہ قانون کی حکمرانی کو سربلند رکھنے کی بجائے بذریعہ قانون حکومت کرتے ہیں۔ قانون کی حکمرانی ریاست کے اختیارات پر کنٹرول رکھنے کے آلے کے طور پر کام کرتی ہے۔ اس نظام کا مقصد ریاستی اختیارات کے خلاف افراد کے انسانی حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ اس کے برعکس حکومت بذریعہ قانون سے اختیارات کا غلط استعمال ہو سکتا ہے مثلاً ملک پر حکمرانوں کا اقتدار برقرار رکھنے کیلئے قانون اور عدلیہ کی ہیرا پھیری۔

2005 میں دنیا بھر میں خاصی تعداد میں ملکوں نے ذرائع ابلاغ اور غیر سرکاری تنظیموں کے خلاف قانون سازی کی یا قانون چیدہ چیدہ استعمال کیا۔ مثال کے طور پر:
کمبوڈیا کی حکومت نے سال کے دوران ازالہ حیثیت عرفی کے بارے میں فوجداری قوانین ناقدین اور حزب اختلاف کے ارکان کو ڈرانے دھمکانے' انہیں گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کیلئے استعمال کئے۔

چین نے ذرائع ابلاغ اور انٹرنیٹ پر پابندیاں بڑھا دیں جن کے نتیجے میں دو گرفتاریاں منظر عام پر آئیں۔

زمبابوے کی حکومت نے صدر موگابے پر نکتہ چینی کرنے والے افراد کو گرفتار کیا' صحافیوں کو ہراساں کیا اور من مانے انداز میں حراست میں لیا' ایک آزاد اخبار کو بند کیا' مظاہرین کو بزور طاقت منتشر کیا' حزب اختلاف کے لیڈروں اور ان کے حامیوں کو گرفتار کیا اور حراست میں رکھا۔

وینزویلا میں ازالہ حیثیت عرفی اور نشریاتی مواد کے بارے میں نئے قوانین کے علاوہ قانونی طور پر ہراساں کرنے اور جسمانی لحاظ سے ڈرانے دھمکانے کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ کی آزادیاں محدود ہوگئیں اور خود سے سنسر شپ عائد کرنے کی فضا قائم ہوگئی۔ اس بارے میں مسلسل اطلاعات ملتی رہیں کہ سرکاری نمائندوں اور ان کے حامیوں نے حزب اختلاف کے ارکان، انسانی حقوق سے متعلق کئی غیر سرکاری تنظیموں اور سول معاشرے کے دیگر گروپوں کو ڈرایا دھمکایا۔ بعض غیر سرکاری تنظیموں نے الزام لگایا کہ حکومت نے سیاسی مخالفین پر پابندیاں عائد کرنے کیلئے عدلیہ کو استعمال کیا۔

بیلارس میں لوکاشنکو کی حکومت نے مخاف گروپوں پر مظالم کا سلسلہ تیز کردیا اور سول معاشرے پر نئی پابندیاں عائد کردیں۔ سیاسی مقاصد کے تحت گرفتاریاں کی گئیں، کئی آزاد اخبار بند کردیئے گئے، دوسرے اخبارات کے کام میں رکاوٹیں ڈالی گئیں اور غیر سرکاری تنظیموں کو ہراساں کیا گیا۔

روس میں پارلیمنٹ کی طرف سے غیر سرکاری تنظیموں پر پابندیوں سے متعلق نئے قوانین کی منظوری سے ان تنظیموں کے دفاتر پر چھاپوں، ان کیلئے رجسٹریشن کے مسائل پیدا ہونے، ان کے لیڈروں اور عملے کو ڈرانے دھمکانے کی کارروائیوں اور ان تنظیموں کے غیر ملکی کارکنوں کیلئے ویزے کے مسائل کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ روسی حکومت نے ذرائع ابلاغ میں نکتہ چینی کو محدود کرنے کیلئے بھی اقدامات کئے۔ حکومت نے نشریاتی میڈیا، بالخصوص ٹیلیویژن کے نشریاتی تنوع کو کم کردیا جو اکثر روسیوں کیلئے خبروں کا بڑا ذریعہ ہے۔ 2005 کے آخر تک ملک کے تمام آزاد ٹیلیویژن سٹیشنوں کا کنٹرول حکومت یا حکومت نواز تنظیموں نے حاصل کرلیا۔

پنجم، جمہوری انتخابات سے اس بات کو یقینی نہیں بنایا جاتا کہ انسانی حقوق کا احترام کیا جائے گا بلکہ یہ انتخابات ملک کو اصلاحات کے راستے پر گامزن کرسکتے ہیں اور انسانی حقوق کے تحفظ کو باضابطہ بنانے کیلئے بنیادی تیاریوں کا کام دیتے ہیں۔ تاہم، جمہوری انتخابات، جمہوریت کے طویل سفر کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ انتخابات، ایسی قابل مواخذہ حکومتوں اور حکومتی اداروں کے قیام کیلئے ضروری ہوتے ہیں جو قانون کی حکمرانی کی پابندی کرتے ہیں اور شہریوں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے اقدامات کرتے ہیں۔

عراق میں 2005 جمہوریت، جمہوری حقوق اور آزادی کیلئے اہم پیش رفت کا سال تھا۔ ملک میں غیر سرکاری تنظیموں اور سول معاشرے کی دوسری تنظیموں میں برابر اضافہ ہوا اور انسانی حقوق کو فروغ ملا۔ 30 جنوری کو قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ملک میں، جس کی تاریخ ماضی قریب میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی وجہ سے مسخ ہو چکی ہے، انسانی حقوق اور آزادی کے تحفظ کیلئے سرکاری اداروں کو مستحکم کرنے کی جانب اہم قدم تھے۔ 15 اکتوبر کے ریفرنڈم اور 15 دسمبر کے انتخابات میں عراقی ووٹروں نے ملک کے مستقل آئین کی منظوری دی اور نئی قانون ساز اسمبلی "نمائندوں کی کونسل" کے ارکان کو منتخب کیا۔ اس سے جمہوری ادارے مستحکم ہوگئے ہیں جو جمہوری مستقبل کیلئے لائحہ عمل فراہم کرسکتے ہیں۔ اگرچہ تاریخی انتخابات اور جمہوری حکومت کے نئے اداروں سے حقیقی معنوں میں پیش رفت کا ڈھانچہ میسر آیا ہے لیکن شہری زندگی اور سماجی نظام، خصوصاً باغیوں اور دہشت گرد عناصر کی طرف سے بڑے پیمانے پر تشدد کے واقعات کی وجہ سے شدید دباؤ میں ہے۔ علاوہ ازیں مختلف فرقوں کی ملیشیا اور سیکیورٹی فورسز نے سرکاری اختیارات کے تحت آزادانہ کارروائیاں کی ہیں۔ حکومت اب بھی سیاسی حقوق کے احترام پر مبنی قانونی اور انتخابی طریقہ کار پر عمل پیرا ہے۔

افغان باشندوں نے، جو سال ہا سال تک بنیادی انسانی حقوق سے محروم رہے، 2005 میں آزادی کے مستقبل اور انسانی حقوق کے احترام کے بارے میں برابر عزم و حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ 18 ستمبر کو تقریباً تین عشروں ملک میں پہلے پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ انتخابات میں 582 خاتون امیدواروں نے حصہ لیا جس میں خواتین نے بڑے جوش و جذبے سے ووٹ ڈالے۔ 2004 کے آئین کے تحت ایوان زیریں میں خواتین کی مخصوص نشستوں کیلئے 68 خواتین منتخب ہوئیں۔ 68 میں 17 خواتین، مخصوص نشستوں پر نہیں بلکہ ووٹوں کی برتری سے کامیاب ہوئیں۔ صدر کی طرف سے مقرر کردہ ایوان بالا کی 34 نشستوں میں 17 خواتین کیلئے مخصوص کردی گئیں۔ صوبائی کونسل نے 5 اضافی خواتین کو منتخب کیا جس ان کی تعداد بڑھکر 22 ہوگئی۔ 18 ستمبر کے پارلیمانی انتخابات، حکومت کی اُس کوشش کے تناظر میں ہوئے جو وہ مسلسل عدم سلامتی اور بعض حلقوں کی پرتشدد مزاحمت کی وجہ سے اپنی عملداری کا دائرہ صوبائی مراکز تک بڑھانے کیلئے کررہی ہے۔

یوکرین میں انقلاب نارنگی کے بعد، جس کے نتیجے میں لوگوں کی امنگوں کے مطابق نئی حکومت کیلئے انتخابات کی راہ ہموار ہوئی، انسانی حقوق کی صورتحال میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ 2005 میں پولیس افسروں کو محاسبے کے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل تھے اور ذرائع ابلاغ نے اپنی آزادی کے لئے کامیابیاں حاصل کیں۔ اجتماعات اور

تنظیم سازی پر بیشتر پابندیاں ختم کردی گئیں۔ بڑی تعداد میں انسانی حقوق کی ملکی اور بین الاقوامی تنظیموں کو بھی حکومت کی طرف سے ہراساں کئے بغیر کام کرنے کی آزادی تھی۔
انڈونیشیا نے' جو دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا اسلامی ملک ہے' اپنے جمہوری نظام کو مستحکم کرنے میں نمایاں پیش رفت کی۔ مقامی حکومتوں کے تاریخی انتخابات کے ذریعے انڈونیشیا کے لوگوں کو پہلی بار شہر' علاقے اور صوبائی سطحوں پر اپنے لیڈر منتخب کرنے کا موقع ملا۔ ملک میں اگرچہ مسائل نمایاں طور پر برقرار رہے اور سنگین خلاف ورزیاں جاری رہیں لیکن انسانی حقوق کی صورتحال میں بہتری آئی۔ ایک اہم پیش رفت' آزاد آچے تحریک کے ساتھ 15 اگست کو طے پانے والا وہ تاریخی سمجھوتہ تھا جس سے عشروں سے جاری مسلح تنازع ختم ہوا۔ حکومت نے پاپوا پیپلز اسمبلی کا بھی افتتاح کیا اور پاپوا کے بارے میں خودمختاری کے خصوصی قانون مجریہ 2001 کی تکمیل کیلئے دوسرے اقدامات کئے۔

لبنان نے 29 برس سے جاری شام کے فوجی تسلط کے خاتمے کے سلسلے میں نمایاں پیش رفت کی اور جمہوری طور پر منتخب پارلیمنٹ کے تحت دوبارہ خودمختاری حاصل کی۔ تاہم' شام کا مسلسل اثر و رسوخ بدستور مسئلہ بنا رہا۔

لائبیریا' اپنے پرتشدد ماضی سے دور اور ایک آزاد اور جمہوری مستقبل کی جانب ڈرامائی اقدامات کے ساتھ بین الاقوامی جمہوری منظرنامے پر نمودار ہوا۔ 23 نومبر کو ایلن جانسن سرلیف کو کثیر الجماعتی صدارتی انتخابات میں کامیاب قرار دیا گیا اور وہ افریقہ کی پہلی منتخب خاتون سربراہ مملکت بن گئیں۔ ان کی کامیابی خانہ جنگی سے جمہوریت کی جانب ملک کے عبوری دور میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ عبوری حکومت نے عمومی طور پر اپنے شہریوں کے انسانی حقوق کا احترام کیا اور ان حقوق کے استحکام کیلئے قانون سازی کی۔ تاہم' پولیس کی استحصالی کارروائیوں' سرکاری بدعنوانی اور دیگر مسائل برقرار رہے اور 14 سالہ خانہ جنگی کی میراث سے زیادہ گھمبیر ہو گئے' جس میں بری طرح متاثر ہونے والا بنیادی ڈھانچہ اور بڑے پیمانے پر غربت اور بے روزگاری کے مسائل شامل ہیں۔

ششم' جمہوری اصلاحات اور انسانی حقوق کے بارے میں پیش رفت نہ تو غیر تصوراتی ہے اور نہ ہی اس کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ بعض ملکوں کی جمہوری حکومتوں کے ادارے کمزور ہیں اور اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں جبکہ بعض ملکوں نے جمہوری عمل کے بارے میں ابھی تک پختہ عزم نہیں کیا۔ بے ضابطگیوں سے پیش رفت متاثر ہو سکتی ہے اور شدید نقصان ہو سکتا ہے۔ جمہوری طور پر منتخب ہونے والی حکومتیں' ہمیشہ جمہوری انداز میں نہیں چلائی جاتیں۔

2005 میں کئی ملکوں نے' جنھوں نے خود کو جمہوری اصلاحات کیلئے وقف کر رکھا ہے' ملی جلی پیش رفت ظاہر کی؛ کچھ ملکوں نے ترقی معکوس کی۔

جمہوریہ کرغزستان میں مارچ اور جولائی کے درمیان قیادت کی تبدیلی کے بعد انسانی حقوق کا ریکارڈ خاصا بہتر ہوا حالانکہ مسائل برقرار رہے۔ حزب اختلاف کے مظاہرین نے انتخابی ڈھونگ کے خلاف احتجاج کیلئے دارالحکومت میں بڑی سرکاری عمارت پر قبضہ کر لیا جس کے بعد صدر اکاییف ملک سے فرار ہو گئے۔ گذشتہ انتخابات کے نتیجے میں جولائی کے صدارتی اور نومبر کے پارلیمانی انتخابات سے بعض شعبوں میں بہتری آئی۔ تاہم آئینی اصلاحات معطل رہیں اور بدعنوانی بدستور سنگین مسئلہ رہی۔

ایکواڈور میں بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہروں اور فوجی اور قومی پولیس کی قیادت کی طرف سے صدر حمایت کے خاتمے کے بعد کانگریس نے جمہوری لحاظ سے منتخب صدر لوسیو گوٹائرز برطرف کر دیا۔ نائب صدر الفریڈو پلیشیو نے گوٹائرز کی جگہ لی اور انتخابات 2006 میں کرانے کا نظام الاوقات تیار کیا گیا۔

جمہوریہ کانگو کی عبوری حکومت نے اگرچہ عام انتخابات 2006 تک ملتوی کر دیئے لیکن ملک میں 40 برس میں جمہوری لحاظ سے پہلا قومی ریفرنڈم ہوا۔ ووٹروں نے بعض بے ضابطگیوں کے باوجود زیادہ تر اس آزادانہ اور منصفانہ قومی ریفرنڈم میں بھاری اکثریت سے نئے آئین کی منظوری دی۔

جون میں یوگنڈا میں پارلیمنٹ نے صدر کے عہدے کی مدت پر حدود ختم کرنے کیلئے ایک متنازعہ ترمیم کی منظوری دی۔ جس سے صدر موزیوینی کیلئے اپنے عہدے کی تیسری مدت کیلئے انتخابات لڑنے کی راہ ہموار ہو گئی۔ تاہم لوگوں نے قومی ریفرنڈم میں کثیر الجماعتی نظام حکومت کے حق میں ووٹ دیا اور پارلیمنٹ نے انتخابی قوانین میں ترمیم کی تاکہ انتخابات اور حکومت میں حزب اختلاف کو شامل کیا جاسکے۔

مصر کی حکومت نے ستمبر میں ملک میں پہلے کثیر الجماعتی صدارتی انتخابات کیلئے آئین میں ترمیم کی۔ دس سیاسی جماعتوں نے اپنے امیدوار نامزد کئے اور انتخابی مہم کے دوران جلسوں میں زبردست تقاریر کی گئیں اور زیادہ سے زیادہ سیاسی شعور اور وابستگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ تاہم' ووٹروں کی تعداد کم رہی اور پولنگ کے دوران بڑے پیمانے پر دھاندلی کی مصدقہ اطلاعات ملیں۔ صدارتی امیدوار ایمان نور کو' جن کیلئے عدالتی کارروائی سے مستثنٰی قرار دیئے جانے کی سہولت جنوری میں ختم کر دی گئی' جعل سازی کے الزام میں چھ ماہ کی عدالتی کارروائی کے بعد دسمبر میں پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی۔ عدالتی کارروائی کے دوران بنیادی بین الاقوامی تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا۔ نومبر اور دسمبر کے پارلیمانی انتخابات میں کالعدم جماعت اخوان المسلمین سے تعلق رکھنے والے امیدواروں کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ سیکیورٹی فورسز کی طرف سے طاقت کے زیادہ استعمال' ووٹ ڈالنے کی کم شرح اور دھاندلی کی وجہ سے انتخابی عمل کو نقصان پہنچا۔ حکومت نے صدارتی یا پارلیمانی انتخابات کیلئے بین الاقوامی مبصروں کو ملک میں آنے کی اجازت نہیں دی۔ مصری پارلیمنٹ کی طرف سے قائم کردہ قومی کونسل برائے انسانی حقوق نے اپنی پہلی سالانہ رپورٹ میں حکومت کی خلاف ورزیوں کے بارے میں کھل کر تفصیلات بیان کیں۔

مئی میں ایتھوپیا کے پارلیمانی انتخابات میں بین الاقوامی مبصروں نے متعدد بے ضابطگیاں اور ووٹروں کو ڈرانے دھمکانے کے واقعات نوٹ کئے۔ سیکیورٹی فورسز نے انتخابات کے خلاف احتجاج کرنے والے بیسیوں مظاہرین کو ہلاک کر دیا۔ حکام نے حزب اختلاف کے ارکان' غیر سرکاری تنظیموں کے کارکنوں' نسلی اقلیتوں اور صحافیوں کو گرفتار کیا' مارا پیٹا اور ہلاک کیا۔

نومبر میں آذربائیجان کے پارلیمانی انتخابات میں' بعض شعبوں میں بہتری کے باوجود کئی بین الاقوامی تقاضے پورے نہیں کئے گئے۔ اس بارے میں کئی مصدقہ اطلاعات ملیں کہ مقامی حکام نے انتخابی مہمات میں مداخلت کی' سرکاری وسائل کا غلط استعمال کیا' جلسوں کی آزادی کو محدود کر دیا' پولیس نے جلسوں میں خلل ڈالنے کیلئے طاقت کا بے جا استعمال کیا اور ووٹوں کی گنتی کے دوران دھاندلیاں اور بڑے پیمانے پر بے ضابطگیاں کی گئیں۔ تاہم' انتخابات کے بعد شکایات دور کرنے کے عمل کے دوران کئے جانے والے اضافی اقدامات سے انتخابی عمل کی خامیوں کو مکمل طور پر دور نہیں کیا گیا۔

قازخستان میں دسمبر کے صدارتی انتخابات سے پہلے کے دور میں بہتری ظاہر کی گئی لیکن مجموعی لحاظ سے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کے بارے میں بین الاقوامی تقاضے پورے نہیں کئے گئے۔ یورپ میں سلامتی اور تعاون کے بارے میں تنظیم کے جمہوری اداروں اور انسانی حقوق کے دفتر نے یہ بات نوٹ کی کہ سیاسی تقاریر پر بعض کڑی حدود کے باعث صدر پر نکتہ چینی کرنے پر پابندی عائد کی گئی' حزب اختلاف اور آزاد امیدواروں کو ذرائع ابلاغ تک یکساں رسائی حاصل نہیں تھی اور حزب اختلاف کی انتخابی مہم میں بزور طاقت خلل ڈالا گیا۔ 2005 کے دوران خاص طور پر انتہا پسندی کے خلاف قانون' قومی سلامتی سے متعلق ترامیم اور انتخابی قانون میں ترامیم سمیت بعض قوانین نافذ کئے گئے جن سے انسانی حقوق کیلئے قانونی تحفظ ختم ہو گیا اور سول معاشرے اور ذرائع ابلاغ پر کنٹرول کیلئے انتظامیہ کے اختیارات میں اضافہ ہو گیا۔ تاہم آئینی عدالت نے غیر سرکاری تنظیموں پر پابندیوں سے متعلق قانون کو غیر آئینی قرار دیا۔

ازبکستان کا انسانی حقوق کے بارے میں ریکارڈ' جو پہلے ہی خراب تھا' 2005 میں زیادہ خراب ہو گیا۔ مئی میں اندیجان شہر میں ایک پرتشدد مظاہرے کے بعد حکام نے طاقت کا بے جا استعمال کیا اور سال کے باقی حصے میں کئی ظالمانہ اقدامات کئے گئے۔ یہ گڑبڑ فروری اور مئی کے درمیان ایک تاجر کی حمایت میں' جس پر اسلامی انتہا پسندی کے الزام میں مقدمہ چلایا جا رہا تھا' روزانہ کے پرامن مظاہروں کے بعد شروع ہوئی۔ 12 اور 13 مئی کی درمیانی شب کو نامعلوم افراد نے ایک پولیس چھاؤنی سے ہتھیاروں پر قبضہ کیا اور شہر کی جیل پر حملہ بول دیا جہاں مدعا علیہان کو قید کیا گیا تھا۔ ان افراد نے کئی گارڈز کو ہلاک کرنے کے بعد سینکڑوں قیدیوں کو' جن میں مدعا علیہان بھی شامل تھے' رہا کرا لیا۔ بعد میں انہوں نے علاقائی انتظامیہ کی عمارت پر قبضہ کر لیا اور عملے کے ارکان کو یرغمال بنا لیا۔ عینی شاہدوں کے مطابق 13 مئی کو سرکاری فوجوں نے ایک مجمع پر' جس میں نہتے شہری بھی تھے' اندھا دھند فائرنگ کر کے سینکڑوں افراد کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد حکومت نے انسانی حقوق کے درجنوں کارکنوں' صحافیوں اور ان دوسرے لوگوں کو' جنھوں نے ان واقعات پر اظہار خیال کیا' ہراساں کیا' مارا پیٹا اور جیل میں ڈال دیا۔ ان میں سے متعدد افراد کو عدالتی کارروائی کے بعد' جس میں بین الاقوامی تقاضے پورے نہیں کئے گئے' سزائیں سنائی گئیں۔ حکومت نے بہت سی ملکی اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کو اپنا کام بند کرنے پر مجبور کر دیا اور ان پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں۔

روس میں کریملن میں اختیارات کے ارتکاز اور اعلٰی سطح سے جمہوریت کیلئے کوششیں جاری رہیں۔ ان مقاصد کیلئے کریملن نے گورنروں کی صدارتی نامزدگی اور قانون ساز اسمبلی میں ان کی منظوری کے حق میں گورنروں کے براہ راست انتخاب کا طریقہ کار ختم کر دیا۔ روس میں' جہاں تحدید و توازن کا نظام کمزور ہے' حکومت کا احتساب کرنے کے لئے

ووٹروں کے اختیارات محدود ہیں جبکہ اختیارات کا زیادہ ارتکاز انتظامی شعبے میں ہوگیا ہے۔ انتخابات اور سیاسی جماعتوں کے بارے میں قانون میں ترمیم سے، جس کا مقصد ملک بھر کی سیاسی جماعتوں کو طویل مدت کیلئے مستحکم کرنا ہے، درحقیقت حزب اختلاف کی پارٹیوں کی انتخابات لڑنے کی صلاحیت کم ہوسکتی ہے۔ اس رجحان کے علاوہ ذرائع ابلاغ پر مسلسل پابندیوں، کمزور پارلیمنٹ، بدعنوانی اور قانون کے یکساں نفاذ کا فقدان، عدلیہ پر سیاسی دباؤ اور بعض غیر سرکاری تنظیموں کو ہراساں کرنے سے سرکاری لیڈروں کا مواخذہ کرنے سے متعلق لوگوں کا اختیار ختم ہوکر رہ گیا ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی منتقلی اور روشن خیال اعتدال پسندی اختیار کرنے کے بارے میں صدر پرویز مشرف کے اعلانیہ وعدوں کے باوجود انسانی حقوق سے متعلق ملکی ریکارڈ برابر ناقص ہے۔ نقل وحرکت، اظہار رائے، تنظیم سازی اور مذہبی آزادیوں پر پابندیاں برقرار ہیں۔ جمہوری عمل میں پیش رفت محدود ہے۔ 2005 میں مقامی حکومتوں کے انتخابات کے دوران ملکی اور بین الاقوامی مبصروں کو کئی سنگین بے ضابطگیوں کا پتہ چلا۔ ان میں سیاسی جماعتوں کی مداخلت بھی شامل تھی جس سے ملک کے مختلف حصوں میں انتخابی نتائج متاثر ہوئے۔ اپریل میں ایک ریلی کیلئے بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کی آمد سے پہلے پولیس نے پاکستان پیپلز پارٹی کے تقریباً دس ہزار کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ سیکیورٹی فورسز نے ماورائے عدالت ہلاکتوں کا ارتکاب کیا، قانونی طریقہ کار کی خلاف ورزیاں کیں، من مانے انداز میں گرفتاریاں کیں اور لوگوں پر تشدد کیا۔ تمام سرکاری اداروں اور پولیس فورس میں بدعنوانی سرایت کر چکی ہے اور حکومت نے اس مسئلے سے نمٹنے کیلئے کوئی کوشش نہیں کی۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کرنے والے سیکیورٹی فورسز کے ارکان کو عموماً قانونی کارروائی سے مستثنیٰ قرار دیدیا جاتا ہے۔

ان ٹھوس حقائق اور بڑی بڑی رکاوٹوں کے باوجود دنیا بھر میں زیادہ سے زیادہ سیاسی آزادیوں اور جمہوری اصول عام کرنے کے مطالبات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر حالیہ برسوں میں وسیع تر مشرق وسطی اور شمالی افریقہ (BMENA) کے علاقے میں کثیر جماعتی سیاسی نظام، بے مثال انتخابات، خواتین اور اقلیتوں کے تحفظ کیلئے نئے اقدامات اور پرامن جمہوری تبدیلی لانے کے ملکی مطالبات دیکھنے میں آئے ہیں۔

نومبر 2005 میں بحرین کے شہر منامہ میں "فورم فار فیوچر" میں BMENA کے 16 ملکوں سے سول معاشرے کی تنظیموں کی نمائندگی کرنے والے 40 لیڈروں نے اپنے وزرائے خارجہ کے ساتھ شرکت کی۔ اس موقع پر سول معاشرے کے لیڈروں نے بعض ترجیحات کا خاکہ پیش کیا جس میں قانون کی حکمرانی، شفاف طرز عمل، انسانی حقوق اور خواتین کو بااختیار بنانے پر خاص طور سے توجہ دی گئی۔ فورم میں ڈیموکریسی اسسٹنس ڈایالاگ (DAD) کے نمائندوں نے سال کے دوران سول معاشرے کے لیڈروں اور ان کے سرکاری ہم منصبوں کے درمیان انتخابی اصلاحات اور جائز سیاسی جماعتوں کی ترقی کے اہم موضوعات پر ہونے والے بحث ومباحثے کے نتائج پیش کئے۔ DAD کے بڑھتے ہوئے نیٹ ورک میں BMENA کے علاقے سے سول معاشرے کے سینکڑوں لیڈر شامل ہیں۔ خطے میں اصلاحات کیلئے بڑھتی ہوئی کوششوں کیلئے حمایت حاصل کرنے کی غرض سے سول معاشرے کی براہ راست مدد کیلئے فاؤنڈیشن فار دی فیوچر اور علاقے میں سرمایہ کاری میں تعاون کیلئے فنڈ فار دی فیوچر بھی قائم کئے گئے۔ فورم میں سول معاشرہ کی بھرپور شرکت ایک مثبت اور تاریخی پیش رفت تھی جس سے سول معاشرے اور حکومتوں کے درمیان سیاسی اصلاحات کے مسائل کے بارے میں حقیقی مکالمے اور اشتراک عمل کیلئے ایک مثال قائم ہوئی۔

فورم فار دی فیوچر ان کئی نظاموں میں شامل ہے جن کے ذریعے امریکہ، آٹھ ملکوں کا گروپ اور علاقائی حکومتیں، وسیع تر مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں اصلاحات کے بارے میں خطے کے لوگوں کی امنگوں کی حمایت کرتی ہیں۔

دنیا بھر میں انسانی حقوق اور جمہوریت کا بڑھتا ہوا مطالبہ، جس کی عکاسی ان رپورٹوں میں کی گئی ہے، منطقی جواز تلاش کرنے یا مختلف حکومتوں کے واقعات قلمبند کرنے کی کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ عزت ووقار اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں انسان کی شدید خواہش اور ہر عمر اور ہر معاشرے کے اُن مردوں اور عورتوں کی دلیری اور عزم وہمت کا ماحصل ہے جو آزادی کا مقصد حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں اور قربانیاں دیتے ہیں۔

# ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال کی رپورٹ-2005

## جمہوریت، انسانی حقوق اور محنت کے بیورو کی جاری کردہ

## 8مارچ2006

پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہے جس کی آبادی تقریباً 16 کروڑ 30 لاکھ ہے۔مملکت کے سربراہ صدر اور بری فوج کے چیف آف اسٹاف پرویزمشرف ہیں جنہوں نے 1999 میں سویلین حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار سنبھالا تھا۔حکومت کے سربراہ شوکت عزیز ہیں جنہیں قومی اسمبلی نے حزب اختلاف کی پارٹیوں کے اعتراضات کے باوجود 2004 میں منتخب کیا تھا۔قومی اسمبلی کے تازہ ترین انتخابات 2002 میں ہوئے تھے جنہیں ملکی اور بین الاقوامی مبصروں نے انتہائی ناقص قرار دیا تھا۔سیکورٹی فورسز پر سویلین حکام کا کنٹرول رہا تاہم مقامی پولیس کی طرف سے حکومت کی اتھارٹی سے بالا بالا اقدامات کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔

حکومت کا انسانی حقوق کا ریکارڈ خراب تھا اور سنگین مسائل موجود ہے۔انسانی حقوق کے درج ذیل مسائل رپورٹ کئے گئے:

- ☆ اپنی حکومت تبدیل کرنے کے متعلق شہریوں کے حق پر پابندیاں۔
- ☆ ماورائے عدالت ہلاکتیں، تشدد اور بے حرمتی کے واقعات۔
- ☆ جیلوں کے ابتر حالات، من مانی گرفتاریاں اور عدالتی کارروائی سے پہلے طویل حراست۔
- ☆ طریقہ کار اور خلوت کے حقوق کی خلاف ورزیاں۔
- ☆ عدلیہ کی آزادی کا فقدان۔
- ☆ صحافیوں کو ہراساں کرنا، ڈرانا دھمکانا اور ان کی گرفتاریاں۔
- ☆ ایسوسی ایشن، مذہب اور نقل وحرکت کی آزادی پر پابندیاں۔
- ☆ سیاسی لیڈروں کی اسیری۔
- ☆ بدعنوانی۔
- ☆ خواتین کے خلاف قانونی اور معاشرتی امتیاز۔
- ☆ بچوں سے بدسلوکی۔
- ☆ عورتوں اور بچوں کی اسمگلنگ اور عصمت فروشی کے لیے بچوں کا استعمال۔
- ☆ معذور افراد سے امتیازی سلوک۔
- ☆ معاہدے کے تحت مشقت، بیگار اور بچوں سے مشقت۔
- ☆ کارکنوں کے حقوق پر پابندیاں۔

حکومت نے انسانوں کی اسمگلنگ کی روک تھام کیلئے اہم اقدامات کئے۔انسانوں کی اسمگلنگ کی روک تھام کا یونٹ (ATU) پوری طرح مصروف عمل رہا اور انسانی اسمگلنگ میں ملوث لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور ان کے خلاف مقدمے چلائے گئے۔فوج، ATU اور بین الاقوامی تنظیموں کے درمیان تعاون اور اشتراک عمل کی وجہ سے 8 اکتوبر کے زلزلے کے بعد انسانی اسمگلنگ کے واقعات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔سیکورٹی فورسز میں تربیتی کوششوں سے انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والوں کے ساتھ سلوک بہتر ہوا۔

# انسانی حقوق کا احترام

## سیکشن 1 فرد کی سالمیت کا احترام، معہ آزادی:

### (a) من مانے یا غیر قانونی طریقوں سے کسی کی جان لینا۔

سیکورٹی فورسز نے جرائم میں ملوث اور سیاسی گروپوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ماورائے عدالت خود ساختہ پولیس مقابلوں اور دوران حراست ہلاک کیا۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر نگاہ رکھنے والوں کے مطابق پولیس مقابلوں میں ہلاکتوں کے 189 واقعات ہوئے۔

پولیس کا کہنا ہے کہ ان میں بہت سی اموات اس وقت ہوئیں جب مشتبہ افراد نے فرار ہونے کی کوشش کی، گرفتاری کے خلاف مزاحمت کی یا خودکشی کی، تاہم ان کے اہل خانہ اور پریس کا کہنا ہے کہ ان میں سے بیشتر لوگوں کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا۔ مثلاً 25 جنوری کو میر پور خاص سندھ کے پولیس تھانے میں ابوبکر پنھور دوران حراست ہلاک ہوا جو چوری کے الزام میں پولیس کی حراست میں تھا۔ سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز (PPPP) کی طرف سے احتجاج کے بعد پولیس نے افسر محمد رفیق سیال، سینئر انسپکٹر خمیسو خان، اسسٹنٹ سینئر انسپکٹر غلام شبیر دستی اور پولیس کانسٹیبل محمد اسلم کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا۔ سال کے اختتام تک تفتیش جاری تھی۔

5 مارچ کو جئے سندھ متحدہ محاذ کا وائس چیئرمین سمیع اللہ کلہوڑو ہالا میں پولیس کی حراست کے دوران تشدد کی وجہ سے شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ سمیع اللہ کلہوڑو کبھی زیر حراست نہیں تھا۔ سال کے اختتام تک کوئی تفتیش نہیں ہوئی۔

25 اپریل کو صوفی محمد اسلم، پولیس کی حراست میں ہلاک ہوا جسے قتل کے ایک مقدمے کے سلسلے میں لاہور کے نواح میں لکھودیر گاؤں میں اس کی دکان سے گرفتار کیا گیا تھا وہ ایک مشتبہ شخص کا ضامن تھا۔ اسلم کے بیٹے کا کہنا ہے کہ جب اسلم نے گرفتاری وارنٹ دکھانے کا مطالبہ کیا تو پولیس نے اسے مارا پیٹا۔ اسلم پولیس تھانے کے راستے میں بے ہوش ہو گیا اسے پہلے علی میڈیکل سینٹر اور بعد میں شالیمار اسپتال لے جایا گیا جہاں پولیس کے مطابق وہ طبعی موت مرا۔ اس کے رشتہ داروں کے احتجاج کے باوجود پولیس کے خلاف کوئی مقدمہ درج نہیں کیا گیا۔

20 مئی کو پنجاب کے شہر منڈی بہاؤالدین میں پولیس نے ایک مقامی عالم دین نعیم محمود قادری کو گرفتار کیا۔ اگلے دن پولیس نے اس کے اہل خانہ کو بتایا کہ وہ ایک ٹرک کے نیچے کچل کر ہلاک ہو گیا ہے، تاہم 8 ستمبر کو عدالت کے حکم پر قبر کشائی اور میت کے معائنے کے بعد حکام نے اس بات کی تصدیق کی کہ نعیم محمود قادری کو مارا پیٹا گیا تھا۔ سال کے اختتام پر ایک جج نے پانچ پولیس کانسٹیبلوں پر قتل کا الزام عائد کیا۔

26 ستمبر کو غلام رضا ٹھیری میرواہ پولیس تھانے میں دوران حراست ہلاک ہوا جسے پولیس نے موٹر سائیکل چرانے کے الزام میں خیر پور پنجاب میں حراست میں رکھا تھا لیکن گرفتاری کے لیے درکار دستاویزات پیش نہیں کی تھیں۔ پولیس کا دعویٰ تھا کہ غلام رضا نے خودکشی کی ہے لیکن رشتے داروں کا کہنا تھا کہ رضا کو پولیس نے ہلاک کیا ہے۔ سال کے اختتام پر حکام نے اس مقدمے میں اسسٹنٹ سینئر انسپکٹر غلام عبدالغفور کو گرفتار کیا۔

2004 میں اٹک میں پاکستان پیپلز پارٹی (PPP) کے تین کارکنوں کی ہلاکت کے بارے میں حکومت کی تحقیقات میں کہا گیا تھا کہ کارکنوں کی ہلاکت میں پولیس یا ضلعی حکومت کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

2004 میں نزاکت خان اور قطب الدین شاہ کی دوران حراست ہلاکتوں یا 2004 میں تبسم جاوید کلیار کی ہلاکت کے واقعات میں کوئی پیشترفت نہیں ہوئی۔

حکومت نے ماورائے عدالت ہلاکتوں کے مقدمات میں پولیس اہلکاروں کے خلاف بارہا تحقیقات کی لیکن نظم وضبط اور مقدمات میں تسلسل میں ناکامی اور سماعتوں میں طویل تاخیر کے سبب سزا سے محفوظ رہنے کے کلچر کو فروغ ملا۔

وفاق کے زیرانتظام قبائلی علاقوں (FATA) میں سال کے دوران سیکورٹی فورسز اور دہشت گردوں کے درمیان جاری جھڑپوں میں نوشہری جاں بحق ہوئے۔
17 مارچ کو فرنٹیئر کور کے اہلکاروں نے ڈیرہ بگٹی بلوچستان میں جنگجو لیڈر نواب اکبر خان بگٹی کے رہائشی احاطے پر گولہ باری کی جس میں 67 شہری جاں بحق اور 55 زخمی ہوئے۔

31 دسمبر کو PIKAL بلوچستان میں نواب اکبر بگٹی سے تعلق رکھنے والے جنگجوؤں کے خلاف سیکورٹی فورسز کے ہیلی کاپٹر حملے میں 10 افراد ہلاک اور 43 شہری زخمی ہوئے۔ 30 اور 31 دسمبر کو ڈیرہ بگٹی بلوچستان میں جنگجوؤں کے ٹھکانوں پر سیکورٹی فورسز کی گولہ باری سے 38 شہری زخمی ہوئے۔ بلوچ قوم پرستوں نے دعویٰ کیا کہ ضلع کوہلو میں نواب خیر بخش مری سے تعلق رکھنے والے جنگجوؤں پر سیکورٹی فورسز کے حملے میں بھی شہری ہلاک اور زخمی ہوئے لیکن ان کی تعداد نہیں بتائی گئی۔

سیاسی دھڑوں کی طرف سے سیاسی بنیاد پر ہلاکتوں کی اطلاعات ملیں۔ 18 اور 25 اگست کو مقامی انتخابات کے دوران ملک بھر میں پولنگ اسٹیشنوں پر حریف امیدواروں کے گروپوں کے درمیان تکرار اور جھگڑوں میں 55 افراد جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ (دیکھئے سیکشن 3)

سال کے دوران سیاسی بنیاد پر ہلاکتیں ہوئیں۔ مثلاً 2 جنوری کو نامعلوم قاتلوں نے پنجاب میں ٹھیکریاں موڑ کے قریب جی ٹی روڈ پر سابق رکن پارلیمنٹ سید منظور حسین Shahand اور ان کے تین معاونین کو گھات لگا کر ہلاک کر دیا جسے پولیس نے دیرینہ سیاسی عداوت کا شاخسانہ قرار دیا۔ 7 جنوری کو کراچی میں موٹر سائیکل پر سوار قاتلوں نے بلوچ قوم پرست رہنما انور بھائی جان کو ہلاک کر دیا۔ 20 مارچ کو نامعلوم حملہ آوروں نے کراچی کے ایک پارک میں پاکستان مسلم لیگ (PML) کے سرگرم رکن احسان/احسن عزیز کو ہلاک کر دیا۔ 11 اپریل کو سہراب گوٹھ کراچی میں موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم مسلح افراد نے متحدہ قومی موومنٹ (MQM) کے ایک سرگرم کارکن کو ہلاک کر دیا۔

عبادت گاہوں اور مذہبی اجتماعات پر مذہبی انتہا پسند اور دہشت گرد گروپوں کے حملوں میں تقریباً 75 افراد مارے گئے۔ (دیکھئے سیکشن 2.c)۔ 19 مارچ کو ضلع جھل مگسی میں پیر سید Rakheel شاہ کے مزار پر عرس کے دوران شیعہ اور بریلوی مسالک کی رسومات کے دوران بم دھماکے سے 40 سے زیادہ افراد جاں بحق اور 100 سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ حکومت نے اس کا الزام دہشت گرد گروپ لشکر جھنگوی پر عائد کیا۔ 27 مئی کو اسلام آباد کے نواح میں بری امام کے مزار پر عرس کے دوران شیعہ اور بریلوی مسالک کی تقریبات کے دوران ایک خودکش حملہ آور نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا جس سے 20 افراد جاں بحق اور 100 سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ 30 مئی کو ایک خودکش حملہ آور اور اس کے تین ساتھیوں نے جن کا تعلق مبینہ طور پر لشکر جھنگوی سے تھا کراچی میں شیعہ مسلمانوں کی ایک مسجد پر حملہ کیا جس میں 5 افراد جاں بحق اور کم سے کم 30 زخمی ہوئے۔ مسجد پر حملے کی وجہ سے مشتعل ہو جانے والے لوگ کراچی میں سڑکوں پر نکل آئے۔ ہجوم نے چھ افراد کو ہلاک کر دیا اور ایک کے ایف سی ریستوران کو جلا دیا۔ 22 ستمبر کو لشکر جھنگوی کے ارکان نے لاہور میں بیک وقت دو بم دھماکے کئے جس سے 6 افراد ہلاک اور 26 زخمی ہو گئے۔

4 جون کو کراچی میں انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے مئی میں شیعہ مسلمانوں کی مسجد پر خودکش حملے کے سلسلے میں گل حسن کو سزائے موت سنائی۔ 2004 میں عبادت گاہوں پر حملوں کے کیس میں کوئی پیشترفت نہیں ہوئی۔

مذہبی انتہا پسند تنظیموں نے سرکاری اہلکاروں اور مخالف فرقوں کی مذہبی شخصیات کو ہلاک کیا اور ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ (دیکھئے سیکشن 2.C)۔

2004 میں غیر ملکیوں اور سرکاری اہلکاروں پرحملوں میں ماخوذ جنداللہ گروپ کے ارکان کے مقدمے کی سماعت سال کے اختتام تک جاری رہی۔ 2004 میں سرکاری اہلکاروں اور مذہبی شخصیات کے قتل یا غیر ملکی اہداف پر دہشت گردوں کے حملوں کے دوسرے کیسوں میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔

غیر ملکی دہشت گردوں اور ان کے مقامی قبائلی اتحادیوں نے FATA میں فوجیوں، سرکاری اہلکاروں اور حکومت کے حامی قبائلی سرداروں پر حملے کئے اور انہیں ہلاک کیا۔ مثلاً 22 جنوری کو نامعلوم مسلح افراد نے Makeen جنوبی وزیرستان میں قبائلی امن کمیٹی کے سینئر نائب صدر محمد ابراہیم خان محسود کو Tauda Cheena میں ان کے گھر پر گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ 29 مئی کو جنگجوؤں نے سابق وفاقی وزیر اور حکومت کے حامی قبائلی لیڈر فریداللہ خان ان کے عم زاد اور ایک محافظ کو جنوبی وزیرستان میں ان کی گاڑی پر حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔ 22 جولائی کو نامعلوم مسلح افراد نے حکومت کے حامی احمدزئی وزیر قبیلے کے سربراہ میر Zalam خان کو وانا جنوبی وزیرستان میں ان کی گاڑی پر حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔ حملے میں ان کے دو بھائی اور ایک بھتیجا بھی ہلاک ہو گیا۔

غیرت کے نام پر قتل بدستور مسئلہ بنا رہا جس سے عورتیں زیادہ متاثر ہوئیں۔ انسانی حقوق کی مقامی تنظیموں نے سال کے دوران غیرت کے نام پر قتل کے 1211 واقعات ریکارڈ کئے جبکہ خیال ہے کہ بہت سی وارداتیں رپورٹ نہیں کی گئیں (دیکھئے سیکشن 5)۔

18 جنوری کو کشمیر میں کنٹرول لائن یعنی بھارت کے ساتھ ملک کی سرحد پر گولہ باری میں کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔

## b- لاپتہ ہو جانے کے واقعات

سیاسی بنیاد پر لاپتہ ہونے کے واقعات کی اطلاعات سامنے نہیں آئیں، تاہم پولیس اور سیکورٹی فورسز نے قیدیوں کو بلا اطلاع خفیہ طور پر قید رکھا اور ان کے بارے میں خصوصاً دہشت گردی اور قومی سلامتی کے معاملات میں قید لوگوں کے بارے میں معلومات مہیا کرنے سے انکار کیا۔ مثلاً 4 جون کو سوات میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے عارفہ بلوچ اور صبا بلوچ نامی دو بہنوں کو ان کے چچا اور لشکر جھنگوی کے رکن گل حسن سے دہشت گردی کی تربیت حاصل کے شبے میں حراست میں لے لیا۔ 22 اگست کو وزارت داخلہ نے پشاور ہائی کورٹ کے استفسار پر دونوں بہنوں کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی، تاہم 20 ستمبر کو ان کی رشتہ دار گل حمرانہ جو تین ماہ سے لاپتہ تھی، سامنے آئی اور دعویٰ کیا کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اسے خفیہ طور پر اسی جگہ قید رکھا جہاں دونوں بہنیں زیر حراست تھیں۔ جنوری میں سیکورٹی ایجنسیوں نے ہالینڈ کے ایک باشندے کو رہا کیا جسے 2004 میں لاہور یونیورسٹی میں حراست میں لیا گیا تھا۔

PPP نے دعویٰ کیا کہ سندھ میں حکمران پارٹی PML نے PPP کے حمایت یافتہ عوام دوست پینل کے امیدواروں کو اغوا کیا تاکہ وہ مقامی انتخابات کیلئے اپنے کاغذات نامزدگی داخل نہ کر سکیں۔ مثلاً چھاچھرو ضلع تھرپارکر میں PML کے حامیوں نے مبینہ طور پر یونین کونسل Sarangiar کے ناظم اور نائب ناظم کے عہدوں کیلئے عوام دوست امیدواروں موڑ میگھواڑ اور گیان چند میگھواڑ کو ان کے حامیوں سمیت اغوا کر لیا۔ PML نے اغوا کے اس قسم کے وقوع سے انکار کیا اور الیکشن کمیشن آف پاکستان (ECP) نے دعویٰ کیا کہ اس کی تحقیقات کے نتیجے میں ان الزامات کے حق میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاہم بین الاقوامی مبصروں کے مطابق الزامات قابل اعتبار معلوم ہوئے تھے۔

## c- تشدد اور دوسرے ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک یا سزا۔

قانون کے تحت تشدد اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک کی ممانعت ہے۔ تاہم سیکورٹی فورسز نے لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور بدسلوکی کی۔ انسداد دہشت گردی ایکٹ کی شقوں کے تحت بالجبر حاصل کئے گئے اعترافات، خصوصی عدالتوں میں قابل قبول ہیں، اگرچہ پولیس نے سزا دلانے کیلئے اس شق کو استعمال نہیں کیا۔

سیکورٹی فورسز نے ملک بھر میں لوگوں پر تشدد کا سلسلہ جاری رکھا۔

انسانی حقوق کی تنظیموں نے بتایا کہ تشدد کے حربوں میں مار پیٹ، سگریٹوں سے جسم داغنا، پیر کے تلوؤں پر کوڑے یا بید سے ضرب لگانا، طویل قید تنہائی میں رکھنا، بجلی کے جھٹکے لگانا، کھانے یا نیند سے محروم رکھنا، الٹا لٹکانا اور ڈنڈا بیڑی لگا کر ٹانگوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنا شامل ہے۔ سیکورٹی فورسز کے اہلکاروں نے مبینہ طور پر دوران تفتیش عورتوں اور بچوں سے زیادتی اور بے حرمتی کی۔ غیر سرکاری تنظیموں کے انسانی حقوق اور قانونی امداد کے وکلاء نے سال کے دوران تشدد کے 1356 کیس ریکارڈ کئے۔ تشدد کا نتیجہ کبھی کبھار موت یا شدید زخمی ہو جانے کی صورت میں نکلا۔ (دیکھئے سیکشن 1.a)۔

اپریل میں شبیر حسین، ظفر عباس اور محمد صادق نے دعویٰ کیا کہ پولیس نے انہیں چوری کے جھوٹے الزام میں حراست میں رکھا اور تشدد کیا۔ حافظ آباد پنجاب میں ان کی حراست کے دوران پولیس نے انہیں مبینہ طور پر مدعی کے سامنے مارا پیٹا اور انہیں خود انک اپنا پیشاب پینے اور کیچڑ کھانے پر مجبور کیا اور انہیں الٹا لٹکایا۔ لاہور ہائی کورٹ نے پولیس کے اس معاملے میں ملوث افسر کے خلاف مقدمات درج کرنے کا حکم دیا۔

23 جون کو وہاڑی میں پولیس نے قیدی محمد حسین کو ایک پولیس افسر سے بحث کرنے پر بڑی طرح مارا پیٹا اور اس کے دونوں ہونٹ سی دیئے۔ سال کے اختتام پر حکام نے اس معاملے میں ملوث ہونے پر سات پولیس اہلکاروں کو معطل کر دیا۔

اقوام متحدہ نے کانگو میں اقوام متحدہ کے امن مشن (Monuc) میں شامل پاکستان کے امن فوجیوں کو جنسی زیادتی اسکینڈل میں ماخوذ کیا۔ حکومت نے اسکینڈل میں مبینہ طور پر ملوث افراد کے خلاف تحقیقات کی اور انہیں سزا دی۔

مارچ میں انسانی حقوق کی تنظیم، ہیومن رائٹس واچ (HRW) نے اگست 2004 میں بتایا کہ ملکی اور غیر ملکی سیکورٹی فورسز نے دو غیر ملکی بھائیوں زین افضل اور کاشان افضل کو خفیہ طور پر اغوا کیا اور دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے بارے میں ان کا اقبالی بیان حاصل کرنے کیلئے ان پر تشدد کیا۔ HRW کا کہنا ہے کہ حکام نے کسی الزام کے بغیر 22 اپریل کو دونوں بھائیوں کو رہا کر دیا۔

2004 کے کیسوں میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔

حدود آرڈی نینسوں میں شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے سخت قرآنی سزائیں تجویز کی گئی جن میں سنگسار کرنا اور ہاتھ کاٹنا شامل ہے۔ حکام نے سال کے دوران اس قسم کی سزائیں نہیں دیں کیونکہ ان کے سزاؤں کیلئے شہادت اور گواہی کا معیار انتہائی سخت ہے۔

## قید خانوں اور حراستی مراکز کی صورتحال

جیلوں کی صورتحال بین الاقوامی معیار کے مطابق نہیں ہے اور دولت مند اور بااثر قیدیوں کے سوا عام قیدیوں کیلئے حالات انتہائی ناقص اور خراب ہیں جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی بھرمار عام ہے۔ پاکستان کے انسانی کمیشن (HRCP) کے مطابق 87 جیلوں میں 87370 قیدی تھے جبکہ ان جیلوں میں زیادہ سے زیادہ 36075 قیدیوں کی گنجائش ہے۔

جیلوں میں ناکافی خوراک کی وجہ سے سوائے ان قیدیوں کے جنہیں گھر والے یا دوست احباب کھانا پہنچاتے ہیں عام قیدی ناقص غذائیت کا شکار ہوتے ہیں علاج معالجے کی سہولتوں تک رسائی بھی ایک مسئلہ ہے۔ غیر ملکی قیدی سزا کی میعاد پوری ہو جانے کے باوجود جیل میں پڑے رہتے ہیں کیونکہ انہیں ان کے ملک تک سفر کے اخراجات دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

قیدیوں کو ہتھکڑی اور زنجیر میں جکڑنا عام ہے جو سخت کسی ہوئی، بھاری اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے قیدی بعض صورتوں میں بافتوں کے مردہ ہوجانے کی بیماری Gangrene کا شکار ہوجاتے ہیں اور متاثرہ اعضا کاٹنے پڑتے ہیں۔

پولیس زیر حراست عورتوں اور قیدی عورتوں کو زیر حراست مردوں اور مرد قیدیوں سے الگ رکھتی ہے۔ مجرم بچوں کو بالغ قیدیوں کے ساتھ ایک ہی جیل میں البتہ الگ بیرکوں میں رکھا جاتا ہے۔ پولیس زیر حراست افراد کو عموماً سزا یافتہ قیدیوں سے الگ نہیں رکھتی۔ ذہنی مریض قیدیوں کو عموماً علاج کی سہولت حاصل نہیں ہوتی اور انہیں عام قیدیوں سے الگ نہیں رکھا جاتا۔ (دیکھئے سیکشن-5)۔

جیلوں میں ہنگاموں کی اطلاعات ملیں 12 مئی کو قیدیوں نے سکھر سینٹرل جیل کا کنٹرول سنبھال لیا اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور سیکورٹی گارڈز کو یرغمال بنالیا۔ قیدی، جیل کے محافظوں کے خلاف احتجاج کررہے تھے جنہوں نے مبینہ طور پر ان کی قیمتی اشیاء چوری کرلی تھیں۔ قیدیوں کی بغاوت پر قابو پانے کیلئے پولیس طلب کی گئی جس نے قیدیوں پر فائرنگ کی جس سے ایک قیدی ہلاک اور 26 زخمی ہوگئے۔ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات نے واقعے کی تحقیقات کا حکم دیا۔ 24 جون کو سرگودھا جیل کے قیدیوں نے جیل حکام کے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کے طور پر دو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹس اور 4 وارڈروں کو یرغمال بنالیا۔ بعد میں جھڑپ کے دوران 9 قیدی اور ایک محافظ زخمی ہوگیا۔ ہنگاموں کے دوران زخمی ہونے والا ایک قیدی بعد از اں زخموں کی تاب نہ لاکر ہلاک ہوگیا۔

حکام نے زیر حراست عورتوں کی بے حرمتی سمیت بدسلوکی کی شکایات کے پیش نظر خواتین کے خصوصی پولیس تھانے قائم کئے جن کا تمام عملہ خاتون اہلکاروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ خواتین کی حیثیت کے بارے میں حکومت کے قائم کردہ قومی کمیشن نے دعویٰ کیا کہ خواتین کے پولیس تھانے زیادہ وسائل کی کمی کی وجہ سے مؤثر خدمات انجام نہیں دے پاتے۔ عدالتی احکامات اور ضابطوں کے مطابق پولیس کے مرد اہلکاروں کو مشتبہ عورتوں سے تفتیش کرنے کی ممانعت ہے لیکن مرد پولیس اہلکار اکثر عام تھانوں میں عورتوں کو حراست میں رکھتے اور ان سے تفتیش کرتے ہیں۔ خواتین کے حقوق کیلئے کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق سال کے اختتام پر ملک بھر میں 3389 عورتیں جیل میں بند تھیں۔

سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ کے دسمبر 2004 کے اس فیصلے کو غیر معینہ مدت کیلئے معطل کردیا جس میں لاہور ہائی کورٹ نے نابالغ ملزمان کے مقدمات کی سماعت کے متعلق Juvenile Justice System Ordinance کو غیر آئینی قرار دے کر منسوخ کردیا تھا۔ یہ آرڈیننس نوعمر اور نابالغ ملزمان کے لیے ایک الگ ضابطہ کار ہے جس میں نوعمر مجرموں کو کئی ایسے تحفظات اور مراعات دی گئی ہیں جو انہیں عام ضابطہ تعزیرات میں میسر نہیں ہو۔ حکام جیل میں بچوں کے ساتھ بھی بالغ قیدیوں جیسا سخت برتاؤ، عدالتی تاخیر اور بدسلوکی روا رکھتے ہیں۔ مقامی غیر سرکاری تنظیموں کے اندازوں کے مطابق سال کے اختتام پر 3430 بچے جیلوں میں بند تھے۔

نوعمر مجرموں کو کراچی اور بہاولپور واقع دو اقامتی اصلاحی اسکولوں میں سے کسی ایک اسکول میں بھیجا جاسکتا ہے جہاں وہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک رہتے ہیں۔ ان اداروں میں مبینہ طور پر بدسلوکی اور تشدد کے واقعات کی اطلاعات ملی ہیں۔ وہاں خوراک اور تعلیم کے انتظامات ناکافی ہیں۔ بچوں کے گھر والوں کو ان سے ملاقات اور کھانا پہنچانے کیلئے رشوت دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ان اداروں کا عملہ مبینہ طور پر اسیر بچوں کو منشیات اسمگل کرتا ہے۔

سندھ میں زمینداروں اور دیہی علاقوں میں قبائل کی غیر قانونی نجی جیلیں ہیں۔

حکومت نے انسانی حقوق کے کارکنوں، اہل خانہ اور وکلاء کو بعض پابندیوں کے ساتھ قیدیوں اور زیر حراست افراد سے ملاقات کی اجازت دی۔ (دیکھئے سیکشن (1.d.

انسانی حقوق کے مقامی کارکنوں نے سال کے دوران ایسی ملاقاتیں کیں تاہم حکومت نے ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی (ICRC) کو زیر حراست مبینہ دہشت گردوں سے ملاقات کی اجازت نہیں دی۔

## d-من مانی گرفتاری یا حراست

قانون کے تحت من مانی گرفتاری یا حراست کی ممانعت ہے تاہم حکام اس قانون کی پابندی نہیں کرتے۔

## پولیس کا کردار اور سیکورٹی کے ذرائع

اندرون ملک سیکورٹی کی ذمہ داری بنیادی طور پر پولیس کی ہے۔ پولیس آرڈر کے (دوسرے ترمیمی) آرڈی نینس مجریہ 23 جولائی کے مطابق پولیس، مقامی منتخب ضلعی چیف ایگزیکٹو یعنی ناظم کے ماتحت ہے جبکہ نیم فوجی تنظیمیں مثلاً رینجرز، فرنٹیئر کور، فرنٹیئر کانسٹیبلری اور اسلام آباد وفاقی علاقے کی پولیس، وزارت داخلہ کے ماتحت ہیں امن و امان کی کارروائیوں میں مدد دیتے وقت یہ نیم فوجی تنظیمیں صوبائی حکومتوں کے کنٹرول میں ہوتی ہیں۔ بعض مذہبی تعطیلات کے موقع پر حکومت نے حساس علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے کیلئے فوج تعینات کی۔

پولیس فورس کی کارکردگی کا معیار ضلع وار مختلف رہا، کسی ضلع میں پولیس کی کارکردگی خاصی اچھی اور کہیں بالکل ناقص رہی۔ پولیس فورس کے بعض ارکان نے مختلف مواقع پر انسانی حقوق کے معاملے میں سنگین بدسلوکی کا ارتکاب کیا۔ ناروا سلوک کرنے والوں کو سزا نہ دینے کے رجحان سے سزا سے مامونیت اور بربریت کا ماحول پیدا ہوا۔ پولیس اور جیل خانوں کے اہلکاروں نے قیدیوں سے بدسلوکی کی دھمکی دے کر اکثر قیدیوں اور ان کے گھر والوں سے رقم اینٹھی۔ انسپکٹر جنرل، ڈسٹرکٹ پولیس افسر، ضلعی ناظم، صوبائی وزرائے داخلہ یا وزرائے اعلیٰ، وفاقی وزیر داخلہ یا وزیر اعظم یا عدالتیں بدسلوکی کے الزامات پر تحقیقات کا حکم دے سکتی ہیں اور انتظامی کارروائی کا حکم دے سکتی ہیں۔ ایگزیکٹو برانچ اور پولیس حکام سفارش کر سکتے ہیں مذہبی اقلیتوں کے ارکان خصوصاً مسیحیوں، احمدیوں اور شیعہ افراد کو حملوں سے محفوظ رکھنے میں ناکام رہی۔
(دیکھئے سیکشن 2.C اور 5)

پولیس میں بدعنوانی کا سلسلہ بلا روک ٹوک جاری رہا۔ پولیس نے جائز شکایات کے اندراج کیلئے پیسے بٹورے اور جھوٹی شکایات درج کرنے کیلئے رقم لی۔ مقدمات سے بچانے کیلئے رشوت کا چلن عام رہا۔ لوگوں نے اپنے مخالفین کی بے عزتی کرانے اور ذاتی رنجشوں کا بدلہ لینے کیلئے پولیس کو رشوت دی۔ تھانیدار (SHO's) بدعنوانی میں سب سے نمایاں رہے۔ بعض تھانیداروں نے مبینہ طور پر تاوان وصول کرنے کیلئے لوگوں کو گرفتار کیا اور زیادہ رشوت وصول کرنے کیلئے بلا اجازت تھانے قائم کئے۔

حکومت نے ٹیکنیکل مہارت اور انسانی حقوق دونوں شعبوں میں تمام سطحوں پر پولیس کی باضابطہ تربیت اور دوبارہ تربیت کا سلسلہ شروع کیا۔ 23 جولائی کو صدر مشرف نے 2002 کا پولیس آرڈر دوبارہ جاری کیا اور اس میں ترمیم کی جس کے ذریعے پولیس کی ذمہ داری صوبوں سے ضلعوں کو منتقل کر دی گئی ہے اور ضلعی چیف ایگزیکٹو کو پرنسپل سپروائزر بنایا گیا ہے۔ اس آرڈر کے تحت مقامی اداروں کی فوری تشکیل کیلئے بھی کہا گیا تھا جو 2002 سے وجود میں آچکے ہیں۔ حکومت نے اس بارے میں یہ دلیل دی کہ ان اصلاحات سے پولیس مقامی کمیونٹی کے سامنے زیادہ جوابدہ ہوگی۔ مخالفین نے الزام لگایا کہ اس طرح پولیس فورس کو سیاسی رنگ دیا جائے گا۔

## گرفتاری اور حراست

فرسٹ انفارمیشن رپورٹ (ایف آئی آر) تمام گرفتاریوں کیلئے قانونی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر فریادی اس بات کا معقول ثبوت پیش کرے کہ کوئی جرم ہوا ہے تو پولیس ایف آئی آر یعنی پرچہ کاٹ سکتی ہے۔ پرچہ کاٹ کر پولیس کو مشتبہ فرد یا افراد کو 24 گھنٹے تک حراست میں رکھنے کا اختیار مل جاتا ہے اس کے بعد صرف مجسٹریٹ اس صورت میں مزید 14 دن کی حراست کا حکم دے سکتا ہے جب پولیس یہ ثابت کر دے کہ تفتیش کیلئے اتنی مدت کی حراست ضروری ہے۔ عملاً حکام نے حراست کیلئے ان تقاضوں کی مکمل پاسداری نہیں کی۔ اکثر پرچے ثبوت کے بغیر لوگوں کو ہراساں کرنے اور ڈرانے دھمکانے کیلئے کاٹے گئے۔ پولیس تفتیش کی غرض سے حراست میں رکھنے کیلئے عموماً مجسٹریٹ سے

اجازت حاصل نہیں کرتی اور اکثر کسی عدالت کی طرف سے چیلنج کئے جانے تک لوگوں کو حراست میں رکھتی ہے۔ خفیہ طور پر حراست میں رکھنے کے واقعات ہوئے۔ (دیکھئے سیکشن-1.C)

مجسٹریٹوں سے جب بھی کہا جائے وہ ضرورت کے جواز کے بغیر عموماً تفتیش کیلئے حراست کی منظوری دیدیتے ہیں۔ ناکافی ثبوت کی صورت میں پولیس اور مجسٹریٹ ملی بھگت کر کے حراست کا سلسلہ 14 دن کی میعاد کے بعد بھی جاری رکھتے ہیں اور اس مقصد کیلئے قانونی حربے کے طور پر نیا پرچہ کاٹا جاتا ہے۔

پولیس رقم اینٹھنے کے لیے بعض اوقات لوگوں کو الزام کے بغیر یا چھوٹے الزام میں حراست میں لے لیتی ہے اور پھر پیسے لے کر چھوڑ دیتی ہے۔ کچھ عورتوں کو من مانے طور پر حراست میں رکھا گیا اور ان سے زیادتی کی گئی۔ (دیکھئے سیکشن-1.C اور 5)

پولیس نے مطلوبہ مجرموں کو گرفتاری دینے پر مجبور کرنے کیلئے ان کے رشتہ داروں کو بھی حراست میں رکھا۔ (دیکھئے سیکشن-1.f)

عدالتوں نے اہم مقدمات میں صرف مفلس اور نادار ملزمان کیلئے وکیل مقرر کئے۔ بعض صورتوں میں لوگوں کو قیدیوں سے ملاقات کیلئے رشوت دینا پڑی۔ غیر ملکی سفارت کار عدالت میں حاضر ہو کر قیدیوں سے مل سکتے تھے اور جیلوں میں اپنے ملک کے شہریوں سے ملاقات کر سکتے تھے۔ انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں نے جیلوں تک رسائی کے سلسلے میں چند پابندیوں کی اطلاع دی۔

ضلعی رابطہ افسر (DCO) 90 دن تک امتناعی حراست کا حکم دے سکتا ہے، تاہم انسانی حقوق کے کارکنوں نے ایسی مثالیں پیش کیں کہ لوگوں کو 6 ماہ تک امتناعی حراست میں رکھا گیا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے الزام لگایا کہ بہت سے افراد کو جو مبینہ طور پر دہشت گرد تنظیموں سے وابستہ تھے، غیر معینہ مدت تک امتناعی حراست میں رکھا گیا۔ اگر مجسٹریٹ تفتیش مکمل کرنے کیلئے ضروری سمجھے تو ملزم کو مسلسل 14 دن حراست میں رکھنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ بدعنوانی کے مقدمات میں قومی احتساب بیورو (NAB) مشتبہ افراد کو غیر معینہ مدت تک حراست میں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ عدالت ہر پندرہ دن بعد حراست جاری رکھنے سے اتفاق کرے۔ (دیکھئے سیکشن 1.e)

قانون کے تحت ضروری ہے کہ زیر حراست افراد کو ان کی گرفتاری کے بعد 30 دن کے اندر اندر عدالت میں پیش کیا جائے۔ حدود اور عام فوجداری ضابطوں، دونوں کے تحت جرائم قابل ضمانت اور ناقابل ضمانت ہیں۔ قابل ضمانت جرائم میں قبل از ساعت ضمانت ہو سکتی ہے اور ایسے ناقابل ضمانت جرائم میں جن پر دس سال سے کم قید کی سزا ہو، عدالت اپنی صوابدید پر ضمانت منظور کر سکتی ہے۔ عملاً ججوں نے پولیس اور کیمونٹی کی درخواست یا رشوت لے کر ضمانت کی منظوری نہیں دی۔ کئی مقدمات میں فرد جرم عائد کئے جانے کے چھ ماہ بعد بھی ساعت شروع نہیں ہوئی اور بعض صورتوں میں زیر حراست افراد نے ساعت سے پہلے اس مدت سے بھی زیادہ عرصہ قید کی سزا بھگتی جو جرم ثابت ہونے پر انہیں زیادہ سے زیادہ دی جا سکتی تھی۔ انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کے اندازوں کے مطابق جیلوں میں بند 45 سے 50 فیصد ملزمان ساعت کے منتظر ہیں۔

حکومت نے گزشتہ برسوں کی طرح احتجاجوں، سیاسی ریلیوں اور سول بے چینی دبانے یا روکنے کیلئے امتناعی حراست اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں اور طاقت کا ضرورت سے زائد استعمال کیا۔ (دیکھئے سیکشن 2.b)۔

مہاجر قومی موومنٹ حقیقی (MQM (H کے درجنوں کارکن جو 1999 اور 2003 کے درمیان گرفتار کئے گئے تھے، سال کے آخر تک حراست میں تھے ان میں کچھ کسی الزام کے بغیر ہی بند تھے۔

انسانی حقوق کے کارکنوں کے مطابق 33 فیصد قیدی عورتیں حدود آرڈیننس کے تحت زنا جیسے الزامات میں ساعت کی منتظر ہیں۔ ان میں سے بیشتر کیس ثبوت کے بغیر ہی دائر کئے گئے ان کی ساعت میں برسوں لگ جاتے ہیں اور عموماً ضمانت منظور نہیں کی جاتی۔

قومی احتساب بیورو(NAB) کے دائر کردہ مقدمات یا انسداد دہشت گردی عدالتوں میں پیش کئے جانے والے مقدمات پر خصوصی ضابطوں کا اطلاق ہوتا ہے۔NAB کے مقدمات میں مشتبہ افراد کو الزام عائد کئے بغیر 15 دن حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔(اس مدت میں عدالت کے اتفاق رائے سے توسیع کی جاسکتی ہے)اور الزام عائد کئے جانے سے پہلے وکیل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

احتساب عدالتیں ضمانت منظور نہیں کرتیں، زیرحراست افراد کو رہا کرنے کا حتمی اختیار NAB کے چیئرمین کو ہے۔انسداد دہشت گردی عدالتیں ضمانت نہیں لیتیں، اگر عدالت کے پاس ملزم کو قصوروار سمجھنے کا مناسب جواز ہو۔سیکورٹی فورسز، مشتبہ دہشت گردوں کو عدالت میں پیش کئے بغیر ان کی سرگرمیاں محدود کرسکتی ہیں ان کے اثاثے ضبط کرسکتی ہیں اور الزام عائد کئے بغیر ایک سال تک حراست میں رکھ سکتی ہیں۔

9 جون کو حکومت نے مختار مائی (عرف مختاراں بی بی) کی درخواست پر ایک چھوٹا حفاظتی دستہ مامور کیا۔مختار مائی کو عدالت کی طرف سے ان پانچ افراد کی رہائی کے بعد اپنی سلامتی کے بارے میں تشویش تھی جنہیں 2002 میں گاؤں کی پنچائیت کے حکم پر ان کے ساتھ اجتماعی زیادتی کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔پنچائیت نے مختار مائی کے ساتھ اجتماعی زیادتی کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مختار مائی کے بھائی نے مبینہ طور پر ایک غلط حرکت کی تھی۔انسانی حقوق کے گروپوں کا کہنا ہے کہ جب حکومت کے علم میں یہ بات آئی کہ مختار مائی بیرون ملک جا کر اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی روداد بیان کرنا چاہتی ہے تو ان کے حفاظتی دستے نے ان کی نقل وحرکت اور مواصلات کو اس طرح کنٹرول کرنا شروع کردیا گویا وہ گھر میں نظر بند ہوں۔مختار مائی کا نام بیرون ملک سفر پر کنٹرول کی لسٹ (ECL) میں شامل کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ملک سے باہر نہ جاسکیں۔سال کے اختتام تک حکومت نے ان کا نام ECL سے خارج کرکے انہیں ملک سے باہر جانے کی اجازت دیدی۔(دیکھئے سیکشن 2.d,2.a,1.f,1.e اور 5)

## e- منصفانہ عام سماعت سے محرومی

قانون کے مطابق عدلیہ آزادی ہے تاہم عملاً عدلیہ تمام سطحوں پر انتظامیہ کے زیر اثر ہے۔ ماتحت عدالتیں بدعنوان، نااہل اور ممتاز مذہبی اور سیاسی شخصیات کے دباؤ میں رہیں۔سیاسی بنیاد پر ججوں کی ترقی کے رجحان کی وجہ سے عدالتی نظام پر حکومت کا کنٹرول بڑھ گیا ہے ججوں کی اسامیاں خالی رہنے اور ناقص عدالتی طریقہ کار کی وجہ سے عدالتوں میں سماعت اور اپیل ہر دو سطح پر مقدمات کی بھرمار ہے۔غیر سیاسی مقدمات میں ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کو قابل اعتماد اور معتبر سمجھا جاتا ہے۔

کئی عدالتی نظام ہیں جن میں فوجداری، دیوانی، ذاتی حیثیت، انسداد دہشت گردی، تجارتی، عائلی اور فوجی عدالتیں شامل ہیں جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان کے درمیان دائرہ اختیار پر اختلاف ہوتا ہے۔

## سماعت کا طریقہ کار

دیوانی، فوجداری اور عائلی عدالتوں میں کھلی سماعت کا نظام ہے جس میں وکلاء کی جانب سے بے گناہی کے مفروضے پر بحث، جرم اور سزا کے بعد اپیل کی گنجائش ہے جیوری کی سماعت کا نظام نہیں ہے۔ججوں کی محدود تعداد، مقدمات کی بھرمار، طوالانی عدالتی طریقہ کار اور سیاسی دباؤ کی وجہ سے مقدمات کے فیصلے میں عموماً برسوں لگ جاتے ہیں اور مدعا علیہان کو بار بار آئے دن پیشیاں بھگتنا پڑتی ہیں۔وکیل بدل جانے کی صورت میں مقدمہ از سر نو شروع ہوتا ہے۔

انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت حکومت کو شدید نوعیت کے جرائم، دہشت گردی کی سرگرمیوں، مذہبی منافرت کو ہوا دینے والی تقاریر اور اقدامات، اور مملکت کے خلاف جرائم کے مقدمات کی سماعت کیلئے خصوصی عدالتیں قائم کرنے کا اختیار حاصل ہے ان عدالتوں میں پیش کئے جانے والے مقدمات کا فیصلہ کام کے سات دنوں میں کرنا ہوتا ہے لیکن ججوں کو ضرورت کے مطابق سماعت میں توسیع کا اختیار حاصل ہے۔معمول کے طریقہ کار کے مطابق ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ، ان عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل

کی سماعت کرتی ہے۔انسانی حقوق کے کارکنوں نے اس تیز تر متوازی نظام پر نکتہ چینی کی ہے اور الزام لگایا کہ اسے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

خصوصی احتساب عدالتیں، NAB کے دائر کردہ بدعنوانی کے مقدمات کی سماعت کرتی ہیں (دیکھئے سیکشن 1.d.) جن میں مالدار قرضے داروں کی طرف سے حکومت کے قرضوں کی نادہندگی کے مقدمات شامل ہوتے ہیں۔NAB، کاروبار میں حقیقی گھاٹے یا چھوٹے نادہندگان کے معاملات پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔احتساب عدالتوں سے مقدمات کی سماعت 30 دن کے اندر کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔احتساب کے مقدمات، تقصیر و خطا کے مفروضے پر مبنی ہوتے ہیں۔

حکومت کے ان دعووں کے باوجود کہ NAB کے مقدمات کی سماعت لوگوں کی سیاسی وابستگی سے قطع نظر آزادانہ کی جاتی ہے، حزب اختلاف کے سیاستدانوں کے خلاف مقدمات کا زیادہ رجحان رہا (دیکھئے سیکشن 1.d.) NAB نے فوج یا عدلیہ کے کسی حاضر سروس ممبر کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا۔

سماعت کی سطح پر عام فوجداری عدالتیں، حدود آرڈیننس کی خلاف ورزیوں پر مشتمل مقدمات کی سماعت کرتی ہیں جن کے تحت شادی کے بغیر جنسی تعلقات، (دیکھئے سیکشن 5) زوجین کے سوا جنسی تعلقات، جوا، الکحل اور جائیداد کے جرائم شامل ہیں۔حدود آرڈیننس کے تحت گواہی اور شہادت کا معیار انتہائی سخت ہے جن جرائم پر قرآنی سزائیں لاگو ہوتی ہیں ان کے سلسلے میں مرد اور عورت، مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز برتا جاتا ہے۔(دیکھئے سیکشن 1.c اور 5)۔

حدود کے جن مقدمات میں کمتر سیکولر تعزیز و سزا ہے ان میں مالی امور اور مستقبل کے وعدوں کے معاملات میں مرد اور عورت کی گواہی کی حیثیت اور وزن مختلف ہے۔

مختاراں بی بی سے اجتماعی زیادتی کے کیس میں سپریم کورٹ کے 14 مارچ کے فیصلے میں حدود مقدمات میں اپیل کا طریقہ کار بہتر بنایا گیا ہے۔قانون کے تحت حدود کے تمام مقدمات میں جن کی سزا دو سال سے زیادہ ہو، وفاقی شرعی عدالت کو پہلی اپیل عدالت قرار دیا گیا ہے۔تاہم سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ ایسی صورتوں میں جب کوئی صوبائی ہائی کورٹ، کسی حدود کیس میں خواہ سہواً اپیل کی سماعت کا فیصلہ کرے تو وفاقی شرعی عدالت کو صوبائی ہائی کورٹ کے فیصلے پر نظر ثانی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔سپریم کورٹ کی شریعہ بینچ، وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی حتمی عدالت ہے۔تاہم سپریم کورٹ کے 14 مارچ کے فیصلے میں فل سپریم کورٹ کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ شریعہ بینچ کو نظر انداز کر کے خود اپیل مقدمات کی سماعت کر سکتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کسی ایسے قانون کو منسوخ کر سکتی ہے جسے وہ اسلامی اصولوں کے منافی قرار دے، لیکن ایسے معاملات کی سپریم کورٹ کی شریعہ بینچ میں اپیل کی جاتی ہے اور نئے ضابطوں کے تحت حتمی طور پر ان کی سماعت فل سپریم کورٹ میں ہو سکتی ہے۔

قانون کے تحت متاثر مرد یا عورت یا اس کے ورثا کو دیت لے کر مجرموں کو معاف کرنے یا قصاص طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔شمال مغربی سرحدی صوبے (NWFP) میں خاص طور سے دیت کے قانون پر عمل کیا گیا لیکن سندھ میں غیرت کے نام پر قتل کے سلسلے میں قصاص کا قانون کبھی بروئے کار نہیں لایا گیا۔

وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں (FATA) میں فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے نام سے الگ قانونی نظام ہے جو اجتماعی ذمہ داری کے اصول پر مبنی ہے۔حکام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مفرور کے قبیلے کے ارکان کو قید کر سکتے ہیں یا مفرور کے گاؤں کی ناکہ بندی کر سکتے ہیں تاوقتیکہ مفرور خود کو پیش کر دے یا اس کا قبیلہ اسے سزا دیدے۔فاٹا میں انصاف مہیا کرنا قبائلی عمائدین کی ذمہ داری ہے وہ مقدمات کی سماعت اسلامی قانون اور قبائلی روایات کے مطابق کرتے ہیں۔ملزم کو قانونی وکالت، ضمانت یا اپیل کا کوئی حق نہیں ہوتا۔عموماً سزا جرمانے کی شکل میں دی جاتی ہے۔قبائلی ایجنسیوں میں تعینات وفاقی سول حکام (جرگے کی) کارروائی کی نگرانی کرتے ہیں اور وہ 14 سال قید تک کی سزا دے سکتے ہیں۔

سندھ اور پنجاب میں جاگیردار اور پشتون اور بلوچ علاقوں میں قبائلی لیڈر مسلمہ قانونی نظام کے خلاف جرگے منعقد کرتے ہیں۔دیہی علاقوں میں ایسے جرگے خصوصاً مروج ہیں جن میں جھگڑے نمٹائے جاتے ہیں اور قصوروار کو سزائیں دی جاتی ہیں جن میں جرمانہ، قید حتیٰ کہ موت کی سزا شامل ہے پشتون علاقوں میں یہ جرگے پشتون قبائلی ضابطے

کے تحت منعقد کیئے جاتے ہیں۔ اس ضابطے کے تحت کسی فرد، اس کے خاندان یا اس کے قبیلے پر لازم ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کی بحالی کیلئے کسی حقیقی یا محسوس کردہ جرم و خطا کا انتقام لے۔ ایسے تنازعات اور جھگڑے عموماً زن اور زمین پر ہوتے ہیں جو اکثر تشدد پر منتج ہوتے ہیں (دیکھیئے سیکشن 5)۔ سال کے اختتام پر میروالا میں 2002 میں مختاراں بی بی سے اجتماعی زیادتی کے پانچ ملزمان کی سزائے موت کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں زیر سماعت تھی (دیکھیئے سیکشن 5)

## سیاسی قیدی

بعض سیاسی گروپوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے ارکان اپنی سیاسی وابستگی کی وجہ سے گرفتاری کے لیے نشان زد ہیں (دیکھیئے سیکشن 1.c اور 1.d) پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ (PML-N) کے لیڈر جاوید ہاشمی بدستور جیل میں ہیں، انہیں 2004 میں بغاوت کے الزام میں سزا دی گئی تھی۔ سال کے اختتام پر اپیلوں کا سلسلہ جاری تھا۔

## f- خلوت، خاندان، گھر یا خط و کتابت میں مداخلت

قانون کے تحت عدالت افراد کے بجائے املاک کی تلاشی کے وارنٹ جاری کرتی ہے تاہم بیشتر واقعات میں پولیس نے یہ تقاضا نظر انداز کیا اور اکثر تلاشی کے دوران چیزیں چرالیں۔ پولیس کو غیر قانونی داخلے پر شاذونادر ہی سزا دی گئی۔ انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمات میں سیکورٹی فورسز کو وارنٹ کے بغیر تلاشی لینے اور املاک ضبط کرنے کی اجازت دی گئی۔

حکومت نے کئی ملکی انٹیلی جنس سروسز برقرار رکھیں جنہوں نے سیاستدانوں، سیاسی کارکنوں، مشتبہ دہشت گردوں اور مشتبہ غیر ملکی انٹیلی جنس ایجنٹوں کی نگرانی کی۔ قابل اعتماد اطلاعات کے مطابق حکام نے سپریم کورٹ کے ایک حکم کے باوجود ٹیلی فون ٹیپ کرنے، سننے اور عدالت کی اجازت کے بغیر ڈاک کھولنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

انسداد دہشت گردی ایکٹ کے مطابق حکومت نے کئی مذہبی انتہا پسند اور دہشت گرد گروپوں کی سرگرمیوں اور رکنیت پر پابندی لگائی۔ تاہم حکومت کی جانب سے کالعدم قرار دیئے جانے کے باوجود کئی گروپ اب بھی فعال ہیں۔

اگرچہ حکومت عام طور پر شادی کے حق میں مداخلت نہیں کرتی تاہم مقامی حکام نے بعض مواقع پر بااثر خاندانوں کو ان کی پسند کے منافی شادیاں رکوانے میں مدد دی۔ حکومت ایسے معاملوں میں سخت کارروائی کرنے میں ناکام رہی جن میں خاندان نے اپنے اہل خاندان (عموماً خواتین) کو خاندان کے دوسرے ارکان کی مرضی کے خلاف شادی کرنے یا طلاق لینے پر سزا دی۔ خواتین کے قبول اسلام کے بعد سابق مذہب کے تحت ہونے والی ان کی شادی کالعدم تصور کی جاتی ہے جبکہ اسلام قبول کرنے والے مردوں کی شادی برقرار رہتی ہے۔ (دیکھیئے سیکشن 2.c)

بعض واقعات میں حکام نے کسی مفرور کو گرفتاری دینے پر مجبور کرنے کے لیے اس کے رشتہ داروں کو حراست میں رکھا۔ (دیکھیئے سیکشن 1.d)

# سیکشن 2 شہری آزادیوں کا احترام، معہ

## a- تقریر اور پریس کی آزادی

قانون کے تحت تقریر اور پریس کی آزادی ہے اور شہریوں کو عام طور پر عمومی مسائل پر گفتگو اور تبادلہ خیال کرنے کی آزادی حاصل رہی تاہم صحافیوں کو ڈرایا دھمکایا گیا

اوردوسروں نے خوداحتسابی پرعمل کیا۔

ملک میں بہت سے انگریزی اور اردو کے روزنامے اور ہفتہ وار اخبار اور جرائد ہیں جو تمام آزاد ہیں۔ ملک کی بنیادی خبر رساں ایجنسی، ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان (APP) کا کنٹرول اور انتظام وزارت اطلاعات کے پاس ہے۔ APP مقامی ذرائع ابلاغ کو سرکاری اور بین الاقوامی خبریں مہیا کرتی ہے۔ نجی شعبے میں چند چھوٹی خبر رساں ایجنسیاں ہیں جو خوداحتسابی پرعمل کرتی ہیں۔ غیرملکی جرائد اور اخبارات دستیاب رہے اور ملک میں بہت سے نامہ نگاروں نے آزادانہ خدمات انجام دیں۔

اخبارات کو حکومت پر تنقید کرنے کی آزادی تھی اور بیشتر اخبارات نے یہ کام کیا۔ حکومت کی پالیسیوں کی مذمت اور سیاسی لیڈروں اور فوجی کارروائیوں پر کڑی نکتہ چینی عام رہی۔ تاہم حکومت نے خود پر اور اپنی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے والے بعض اخبارات کے خلاف انتقامی کارروائی کی۔ 21 مئی کو حکومت نے روزنامہ ''نوائے وقت'' اور'' دی نیشن'' کو وفاقی حکومت کے اشتہارات پر پابندی لگادی۔

صوبائی اور مقامی حکومتیں ان اخباروں کو اشتہار دینے میں آزاد تھیں اور انہوں نے دیئے۔ 22 اگست کو پابندی اٹھالی گئی۔ جون میں سندھ کی صوبائی حکومت نے ڈان گروپ کے اخبارات کو اشتہارات پر پابندی لگادی جنہوں نے ایک مالی اسکینڈل کی خبریں شائع کی تھیں جس میں وزیراعلیٰ کو ملوث بتایا گیا تھا۔

پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان براہ راست حکومت کی ملکیت اور کنٹرول میں ہیں جو واحد قومی نشریاتی ادارے ہیں۔ شالیمار ٹیلی ویژن نیٹ ورک نیم سرکاری ادارہ ہے۔ جس کی اکثریتی ملکیتی حقوق حکومت کے پاس ہے۔ اس ادارے نے سال کے دوران اپنی نشریات کا دائرہ بڑھایا۔ یہ تینوں ادارے اپنی خبروں میں حکومت کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ پرائیویٹ کیبل اور سیٹلائٹ چینلز جیو، اے آر وائی، انڈس اور خیبر ملکی خبریں نشر کرتے ہیں اور حکومت پر تنقید کرتے ہیں۔ مختلف بین الاقوامی نیوز اسٹیشنوں کے ساتھ کیبل اور سیٹلائٹ ٹیلی وژن عموماً قابل برداشت رہا۔ بڑے شہروں میں پرائیویٹ ریڈیو اسٹیشن موجود ہیں مگر انہیں خبریں نشر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض چینلوں نے ٹاک شوز کی صورت میں ان پابندیوں سے کترانے کی کوشش کی تاہم انہوں نے بیشتر ملکی سیاسی مباحثوں سے گریز اور احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ بی بی سی اور وائس آف امریکہ کی بین الاقوامی ریڈیو نشریات دستیاب رہیں۔

حکومت نے سال کے دوران صحافیوں کو گرفتار اور ہراساں کیا اور ڈرایا دھمکایا۔ مثلاً 18 جولائی کو ملٹری پولیس نے یورپ کے دستاویزی فلمسازوں David Flamholo اور طاہر شاہ کو پشاور میں فوجی تنصیبات کی عکس بندی کے الزام میں حراست میں لیا۔ پوچھ گچھ کے بعد 3 اگست کو پاکستانی حکام نے تینوں افراد کو ملک بدر کردیا جنہوں نے فوجی تنصیبات کی عکس بندی سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ حراست کے دوران ملٹری پولیس نے ان سے ناروا سلوک کیا اور انہیں اپنے ملک کے سفارت خانوں اور اہل خانہ سے ملاقات کا موقع نہیں دیا۔ 24 جولائی کو پولیس نے کراچی کے روزنامے ''اسٹار'' کے سینئر رپورٹر راشد چنہ کو بظاہر سندھ کے وزیراعلیٰ کے حکم پر گرفتار کیا اور بارہ گھنٹے سے زیادہ حراست میں رکھا۔ راشد چنہ نے اپنے کئی مضامین میں وزیراعلیٰ اور ان کی کابینہ کے ارکان پر نکتہ چینی کی تھی۔

25 مارچ کو کوئٹہ میں انسداد دہشت گردی کی ایک خصوصی عدالت نے صحافی خاور مہدی رضوی کو ان الزامات سے بری کردیا جن میں انہیں 2004 میں گرفتار کیا گیا تھا۔ 2004 کے کیسوں میں مزید کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔

مسلح انتہا پسند گروپوں نے بھی صحافیوں کو ہراساں اور ہلاک کیا اور جسمانی تشدد کیا۔ مثلاً 19 جنوری کو 30 اسلام پسند نوجوانوں کے ایک گروپ نے کراچی میں جنگ گروپ کے اخبارات اور'' جیو'' ٹی وی کے دفاتر پر دھاوا بول کر فرنیچر، ساز و سامان، آلات اور گاڑیوں کو نقصان پہنچایا اور ایک سیکورٹی گارڈ کو زخمی کردیا۔ ان نوجوانوں کو روزنامہ جنگ میں اسرائیل کے نائب وزیراعظم شمعون پیریز کے انٹرویو کی اشاعت اور جیو ٹی وی سے جنسیات کے موضوع پر نشر ہونے والے انٹرویو پر غصہ تھا۔

7 فروری کو جنوبی وزیرستان میں وانا کے قریب مسلح افراد نے گھات لگا کر حملہ کیا اور صحافیوں امیر نواب خان اور اللہ نور وزیر کو ہلاک اور صحافی انور شاکر کو زخمی کردیا۔ 5 دسمبر کو نامعلوم حملہ آوروں نے صحافی حیات اللہ خان کو شمالی وزیرستان سے اغوا کیا جو سال کے آخر تک لاپتہ تھے۔ (دیکھئے سیکشن 1.d)

گزشتہ برسوں کے برعکس حکومت نے ذرائع ابلاغ کو براہ راست یا بالواسطہ سنسر نہیں کیا۔ تاہم ذرائع ابلاغ نے خود احتسابی کا عمل جاری رکھا۔

اگر چہ بھارتی صحافیوں کیلئے ویزے کی پابندیاں نرم کردی گئی ہیں مگر 22 جولائی کو امیگریشن حکام نے بھارت کی خاتون صحافی Harider Baweja کو جائز ویزے کے باوجود لاہور کے بین الاقوامی اڈے پر روک لیا۔ ان کے بقول امیگریشن حکام نے انہیں بلیک لسٹ قرار دیا۔ خارجہ امور کی وزارت نے اس بات کی تردید کی۔

انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینے والا یا کالعدم تنظیموں کا مواد، قبضے میں رکھنا یا تقسیم کرنا ممنوع ہے۔ انتہا پسندوں کے خلاف حکومت کے اقدامات کے سلسلہ میں صدر مشرف نے پولیس کو انقلابی مطبوعات کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ مثلاً 15 جولائی کو پولیس نے کراچی میں انتہا پسند ہفت روزے ''ضرب الاسلام'' اور ''ضرب مومن'' کے دو مینیجروں اور فروخت کرنے والوں کو گرفتار کرلیا، یہ دونوں کالعدم مطبوعات علی الاعلان دہشت گرد گروپوں کی حامی ہیں۔ 19 جولائی کو کراچی پولیس نے انتہا پسند ہفت روزہ اخبار ''فرائیڈے اسپیشل''، ''وجود'' اور ''غازی'' اور انتہا پسند روزنامے ''امت'' پر پابندی لگادی اور ''وجود'' کے ایڈیٹر اور ''فرائیڈے اسپیشل'' کے ڈپٹی ایڈیٹر کو انتہا پسندانہ نظریات پھیلانے پر گرفتار کرلیا۔ کراچی میں گرفتار کئے جانے والے ان تمام لوگوں کو ضمانت پر رہا کردیا گیا لیکن سال کے اختتام تک انہیں انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت الزامات کا سامنا تھا۔

عدالت کے فیصلے کے مطابق ''انبیا کرام'' کی توہین کرنے کی سزا موت ہے۔ قانون کے تحت قرآن مجید کی بے حرمتی کی سزا عمر قید ہے اور کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے کسی کے مذہبی عقاصد کی توہین کرنے کی سزا دس سال تک قید ہے۔ (دیکھئے سیکشن 2.c)۔ 7 اگست کو پنجاب کی صوبائی حکومت نے جھنگ پنجاب میں دو احمدی پرنٹنگ پریس بند کرنے کا حکم دیا۔ پولیس نے احمدیوں کے جریدے ''الفضل'' کے ایڈیٹر سمیع خان کو حفاظتی حراست میں لے لیا اور بعد میں رہا کردیا۔ یہ کارروائی ایک مقامی مسلمان لیڈر کی اس شکایت پر کی گئی کہ مطبوعات سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ بعد میں صوبائی محکمہ داخلہ نے دونوں پرنٹنگ پریسوں کو دوبارہ کھولنے کی اجازت دیدی۔ غیر ملکی کتابوں کی دوبارہ اشاعت کیلئے انہیں حکومت سے سنسر کرانا ضروری ہے۔ کتابیں اور جرائد آزادی سے درآمد کئے جاسکتے ہیں لیکن قابل اعتراض جنسی اور مذہبی مواد کی وجہ سے انہیں سنسر کرانا ضروری ہے۔

فحش لٹریچر جس کی وضاحت حکومت نے کردی ہے قابل ضبطی ہے۔ ٹیلی ویژن اسٹیشنوں نے بدعنوانی، ساجی، استحقاق، منشیات، خواتین کے خلاف تشدد اور خواتین کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے موضوعات پر ڈرامے اور دستاویزی فلمیں پیش کیں جنہوں نے پہلے شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا تاہم بعض حساس سیریز نشر سے پہلے منسوخ کردی گئیں۔

سابقہ برسوں کے برعکس حکومت کی طرف سے انٹرنیٹ پر رسائی محدود کرنے کی اطلاعات نہیں ملیں۔ حکومت نے عام طور پر تعلیمی آزادی پر پابندی نہیں لگائی تاہم سیاسی پارٹیوں سے وابستہ طلبہ تنظیموں کی وجہ سے پیدا ہونے والے تشدد اور عوام رواداری کے سبب تعلیمی آزادی محدود رہی۔ بعض یونیورسٹی کیمپوں میں طلبہ کے پوری طرح مسلح گروپوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ ان گروپوں کا تعلق عموماً آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (APMSO) اور اسلامی جمعیت طلبہ (IJT) سے ہے، (APMSO کا تعلق ایم کیو ایم اور IJT کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے) ان گروپوں نے مختلف مسائل مثلاً زبان، نصابی مواد، امتحانی پالیسیوں، گریڈز، اصولوں اور لباس وغیرہ کے معاملے میں دوسرے طلبہ، اساتذہ اور منتظمین کو ڈرایا دھمکایا۔ ان گروپوں نے اکثر امتحانات میں نقل کرانے میں مدد کی، عملے کی خدمات حاصل کرنے میں مداخلت کی، یونیورسٹیوں میں داخلوں پر اثر انداز ہوئے اور بعض اوقات اداروں کے فنڈز کے استعمال میں بھی مداخلت کی۔ ان امور میں مداخلت کیلئے عموماً احتجاجی ریلیوں، کیمپس کے ذرائع ابلاغ پر کنٹرول اور بڑے پیمانے تشدد کی دھمکیوں کو استعمال کیا گیا۔ جواباً یونیورسٹی حکام نے کئی کیمپوں میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی لیکن اس کا اثر محدود رہا۔ مثلاً 14 اور 15 فروری کو کراچی کے ایس ایم آرٹس اینڈ کامرس کالج میں APMSO اور IJT کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں۔ جھگڑوں میں کم سے کم آٹھ طلبہ زخمی ہوئے۔ بالآخر پولیس نے مداخلت کرکے 36 طلبہ کو گرفتار کرلیا۔ 28 ستمبر کو گورنمنٹ سٹی کالج گلبرک کراچ میں APMSO اور IJT کے درمیان تشدد آمیز جھڑپیں ہوئیں۔ پولیس کی کارروائی میں کم سے کم گیارہ طلبہ زخمی ہوئے۔

## b-پرامن اجتماع اور انجمن سازی کی آزادی

قانون میں ہتھیاروں کے بغیر اور امن عامہ کے مفاد میں قانون کے تحت نافذ کسی معقول پابندی کے مطابق پرامن اجتماع اور انجمن سازی کی آزادی ہے اور حکومت نے عموماً ان حقوق کی پاسداری کی البتہ بعض پابندیوں کے ساتھ۔

### اجتماع کی آزادی

اگرچہ حکومت نے سال کے دوران حزب اختلاف کو ریلیاں نکالنے اور مظاہرے کرنے کی اجازت دی لیکن شہری علاقوں میں جلوسوں کیلئے پرمٹ نہیں دیئے۔ احمدیوں کیلئے 1984 سے کانفرنسوں اور اجتماعات پر پابندی ہے۔(دیکھئے سیکشن 2.c)

پولیس نے بعض اوقات مظاہرین کے خلاف امتناعی حراست کے حربے کے علاوہ ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال کی۔ اپریل میں حکومت نے بےنظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کی دبئی سے واپسی پر PPP کے پہلے سے طے شدہ اور مجوزہ جلوس کو روکنے کیلئے بڑے پیمانے پر امتناعی حراست کا حربہ استعمال کیا۔ 14 سے 16 اپریل کے درمیان پولیس نے PPP کے تقریباً دس ہزار عہدیداروں، لیڈروں اور سرگرم کارکنوں کو حراست میں لے لیا جنہوں نے مجوزہ جلوس میں شرکت کیلئے لاہور پہنچنے کی کوشش کی۔ 16 اپریل کو لاہور آمد پر پولیس نے آصف علی زرداری کو اس کمرشل طیارے سے، جس میں وہ لاہور پہنچے اپنی تحویل میں لے کر ان کی رہائش گاہ پہنچادیا اور اس طرح PPP کے استقبالیئے اور جلوس کو مؤثر انداز میں ناکام بنادیا۔ بعدازاں PPP کے لیڈروں کی طرف سے ان بیانات کے بعد کہ وہ 21 اپریل کو نئے جلوس کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، پولیس نے لاہور اور فیصل آباد 200 سرگرم کارکنوں کو امتناعی حراست میں لے لیا۔ پولیس نے زیرحراست تمام افراد کو ان کی گرفتاری کے ایک ماہ کے اندر رہا کردیا۔ 15 مئی کو لاہور پولیس نے مخلوط میراتھن ریس کے شرکاء کو بزور منتشر کردیا، میراتھن کا اہتمام پاکستان انسانی حقوق کمیشن اور عوامی حقوق کی ایکشن کمیٹی نے مل کر کیا تھا۔ اس میراتھن کا اہتمام، گوجرانوالہ میں اس قسم کی ریس کو اسلام پسند گروپ کی طرف سے ناکام بنانے کے خلاف احتجاج کے طور پر کیا گیا تھا۔ پولیس نے عارضی طور پر میراتھن کے 40 سے 50 شرکاء کو حراست میں لے لیا تھا کئی گرفتار شدگان معمولی زخمی ہوئے۔ حکومت نے دعویٰ کیا کہ اس نے اسلام پسند انتہا پسندوں کی طرف سے تشدد روکنے کی غرض سے میراتھن ریس پر پابندی لگائی تھی 21 مئی کو منتظمین اور حکومت کے درمیان مذاکرات کے بعد میراتھن ریس ہوئی۔

انتہا پسندوں نے عوامی اجتماعات کو بھی درہم برہم کیا۔ 3 اپریل کو متحدہ مجلس عمل سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں کارکنوں نے گوجرانوالہ میں مخلوط میراتھن ریس کے شرکاء منتظمین، ریس دیکھنے کیلئے جمع ہونے والوں اور پولیس کے خلاف پٹرول بم، ڈنڈے اور اینٹیں استعمال کیں۔ کارکنوں نے 19 گاڑیوں کو آگ لگادی اور اسٹیڈیم اور قریبی عمارتوں کی کھڑکیاں توڑ پھوڑ دیں۔ پولیس نے امن وامان بحال کرنے کیلئے لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کرنے کے علاوہ ہوائی فائرنگ کی۔ جھڑپ میں 15 افراد زخمی ہوئے۔ پولیس نے قومی اسمبلی کے ایک رکن مولانا قاضی حمید اللہ سمیت ایم ایم اے کے 100 سے زیادہ کارکنوں کے خلاف مقدمہ درج کیا۔

گزشتہ برسوں کے برعکس مذہبی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کی اندرون ملک نقل وحرکت محدود نہیں کی۔

### انجمن سازی کی آزادی

قانون کے تحت انجمن سازی کی اجازت ہے بشرطیکہ حکومت کے آرڈیننس اور قانون کی پابندی کی جائے۔ غیرسرکاری تنظیموں کی رجسٹریشن، کوآپریٹو سوسائٹیز اور کمپنیز آرڈیننس مجریہ 1960 کے تحت کی جاتی ہے۔ سال کے دوران کسی ممتاز غیرسرکاری تنظیم نے رجسٹریشن کے سلسلے میں کسی مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔ بعض غیرسرکاری تنظیمیں، رجسٹریشن کرائے بغیر کام کرتی رہیں اور ان کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔

## c-مذہب کی آزادی

قانون میں کہا گیا ہے کہ اقلیتوں کیلئے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنے کے سلسلے میں مناسب شقیں وضع کی جانی چاہئیں تاہم حکومت نے مذہب کی آزادی محدود کی۔ مملکت کا دین اسلام ہے اور آئین کے تحت لازم ہے کہ قوانین، اسلام کے منافی نہ ہوں۔ تمام شہریوں پر شریعت کی بعض شقوں مثلاً توہین رسالت کی روک تھام کے قوانین کی پابندی لازمی ہے۔ اسلام ترک کر کے مرتد ہوجانے والے مشکوک افراد کے خلاف انتقامی کارروائیوں اور انتقام کی دھمکیوں کے واقعات ہوئے۔ مذہبی اقلیتوں کے لوگوں کو ہراساں کیا گیا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا پولیس نے کئی مرتبہ اس قسم کے واقعات کی روک تھام کرنے اور مرتکب افراد کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کردیا۔ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کیلئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔ وزیر اعظم، وفاقی وزیروں، وزرائے مملکت کے علاوہ سینیٹ اور قومی اسمبلی کے ارکان بشمول غیر مسلم ارکان کیلئے ضروری ہے کہ وہ "اسلامی نظریئے" کے تحفظ کا حلف اٹھائیں جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا تھا" (دیکھئے سیکشن 3)۔

مذہبی گروپوں کی توثیق اور رجسٹریشن ہونی چاہیئے، حکومت کی طرف سے کسی گروپ کی رجسٹریشن سے انکار کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

قانون کے تحت احمدی فرقے کو جو خود کو مسلمان کہتا ہے، غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ احمدیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی آبادی تقریباً 20 لاکھ ہے، ان پر اسلامی سلام و آداب استعمال کرنے، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہنے، نماز پڑھنے، حج کرنے یا ماہ رمضان میں روزے رکھنے سمیت شعائر اسلامی اپنانے پر پابندی ہے۔ احمدیوں پر کسی کو اپنے مذہب میں شامل کرنے، اجتماعات منعقد کرنے یا اپنا لٹریچر تقسیم کرنے پر پابندی ہے۔ جو شخص پاسپورٹ کے درخواست فارم اور ووٹر کی حیثیت سے رجسٹریشن کی دستاویزات سمیت سرکاری فارموں میں خود کو مسلمان قرار دے اس کیلئے لازم ہے کہ وہ احمدی عقیدے سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔ مارچ میں حکومت نے مشین ریڈ ایبل پاسپورٹس میں مذہب کا خانہ بحال کردیا (دیکھئے سیکشن 2.d)۔ سرکاری ملازمت اور سرکاری اسکولوں میں داخلے کے سلسلے میں احمدیوں سے اکثر امتیاز برتا گیا۔

انسداد توہین مذہب کے قوانین میں اسلام، قرآن مجید اور انبیا کرام کے خلاف توہین آمیز بیانات یا اقدامات کی ممانعت ہے۔ یہ قوانین تجارتی یا ذاتی تنازعات میں بدلہ لینے اور مذہبی اقلیتوں اور اصلاح پسند مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔ زیادہ تر شکایات سنی مسلم اکثریت کے خلاف درج کرائی گئیں۔ توہین مذہب کے بیشتر کیس بالآخر اپیل کی سطح پر خارج کردیئے گئے؛ تاہم مدعا علیہان کو اکثر قطعی فیصلے تک برسوں جیل میں رکھا گیا۔ مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالتیں، توہین مذہب کیسوں کے ملزمان کو بری کرنے یا ضمانت پر رہا کرنے میں تامل سے کام لیتی رہیں، کیونکہ انھیں خطرہ تھا کی اس صورت میں مذہبی انتہا پسند تشدد پر اتر آئیں گے۔ چار جنوری کو صدر پرویز مشرف نے ایک قانون کی منظوری دی، جس میں شکائت کے اندراج کے طریقہ کار پر نظر ثانی کی گئی اور یہ لازم قرار دیا گیا کہ سینیئر پولیس افسران کو اس طرح کے کیسوں کا جائزہ لینا ہوگا، تاکہ جھوٹے الزامات پر مقدمات درج نہ ہوں۔ سال کے دوران انسداد توہین مذہب قوانین کے تحت تین افراد کو سزا سنائی گئی اور پانچ کو بری کردیا گیا، جب کہ سڑسٹھ کے خلاف مقدمہ چل رہا تھا۔

تمام مذہبی گروپوں کو، جنھوں نے عبادت گاہ تعمیر کرنے یا اس کے لئے زمین حاصل کرنے کی کوشش کی، نوکر شاہی کی طرف سے تاخیری حربوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان سے رشوت طلب کی جاتی رہی۔ حکومت نے احمدیوں کو عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی۔

اسلامیات (مطالعہ اسلام) تمام سرکاری اسکولوں میں ایک لازمی مضمون ہے۔ غیر مسلم طلباء اس مضمون سے مستثنیٰ ہیں؛ تاہم عملاً اساتذہ نے غیر مسلم طلباء کو یہ مضمون پڑھنے پر مجبور کیا۔

ہندو برادری کو سیکورٹی فورسز کی طرف سے ہراساں کیا گیا اور رشوت طلب کی گئی، خصوصاً ان دنوں میں، جب پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کشیدگی پائی جاتی تھی۔

## سماجی زیادتیاں اور امتیازی سلوک

سنی اور شیعہ انتہا پسندوں کے درمیان فرقہ وارانہ تشدد کا سلسلہ جاری رہا۔ مسجدوں اور مذہبی اجتماعات پر حملوں میں تقریباً پچھتر لوگ مارے گئے۔ (دیکھیے سیکشن ا۔الف اور پانچ)

عیسائی اور احمدی مذہبی تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ مثال کے طور پر اٹھائیس مارچ کو پانچ مسلح افراد نے لاہور میں ایک گرجا گھر میں ایسٹر کی عبادت سے واپس آنے والے عیسائیوں پر گولی چلادی، جس سے ایک شخص ہلاک اور سات زخمی ہوگئے۔ اس حملے کا سبب، جس میں پولیس نے دو حملہ آوروں کو گرفتار کرلیا، بظاہر ایک مقامی مسلمان اور وہاں کی عیسائی برادری کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا۔ اپریل میں نامعلوم حملہ آوروں نے پادری شمعون بابر اور اس کے کیتھولک ڈرائیور ڈینیئل عمانویل کو اغوا کر کے قتل کر دیا۔ پولیس کے اندازے کے مطابق ان دونوں افراد کو اذیتیں دی گئیں اور پھر انھیں باندھ کر کئی کئی گولیاں ماری گئیں؛ اور پھر ان کی لاشیں پشاور روڈ پر پھینک دی گئیں۔ پولیس نے شبہ ظاہر کیا کہ بابر کا کاروبار، جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس جرم کی اصل وجہ تھی، تاہم کل پاکستان اقلیتی اتحاد نے کہا کہ ان ہلاکتوں کے مذہبی محرکات تھے۔ سات اکتوبر کو نامعلوم مسلح افراد نے پنجاب میں منڈی بہاءالدین میں مونگ کے مقام پر ایک احمدی مذہبی اجتماع پر گولی چلادی، جس سے آٹھ افراد ہلاک اور چودہ زخمی ہوگئے۔ (دیکھیے سیکشن ا۔الف)

بارہ نومبر کو ان الزامات کے بعد کہ ایک عیسائی شخص نے قرآن مجید کی توہین کی ہے، ایک مشتعل ہجوم نے پنجاب میں سانگلہ ہل، ضلع ننکانہ صاحب میں پانچ گرجا گھروں کو آگ لگادی اور عیسائیوں کی املاک کو نقصان پہنچایا۔ گیارہ نومبر کی تمام رات اور اگلے دن بارہ نومبر کی صبح تک مقامی مسجدوں سے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے قرآن مجید کی مبینہ توہین کے ملزم کے خلاف انتقامی کارروائی کے لئے لوگوں کے جذبات بھڑکائے جاتے رہے۔ غیر سرکاری تنظیموں نے اطلاع دی کہ مقامی حکام نے بھی ان اعلانات میں حصہ لیا۔ تشدد میں حصہ لینے کے الزامات میں گرفتار کئے جانے والے دوسو میں سے اٹھاسی افراد سال کے اختتام تک پولیس کی حراست میں تھے۔

احمدیوں نے بتایا کہ جنگجو سنی ملاؤں اور ان کے پیروکاروں نے بعض اوقات وسطی پنجاب کے احمدی اکثریت والے شہر ربوہ میں جلوس نکالے۔ سو سے دوسو کے مجمع کے ذریعے ان ملاؤں نے مبینہ طور پر احمدیوں اور ان کے بانی پر لعن طعن کی، جس سے بعض اوقات تشدد تک نوبت پہنچی۔ احمدیوں نے دعویٰ کیا کہ پولیس اس طرح کے جلوسوں میں عام طور پر موجود ہوتی تھی لیکن تشدد روکنے کے لئے کچھ نہیں کرتی تھی۔

احمدیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور شیعہ مسلم برادیوں نے یہ اطلاع دی کہ ان کے ساتھ ملازمت اور تعلیم کے حصول کے سلسلے میں مختلف اداروں میں، جن میں سرکاری ادارے بھی شامل تھے، بہت حد تک امتیاز برتا گیا۔

اگرچہ ملک میں یہودی شہری نہیں ہیں، تاہم یہود مخالف جذبات وسیع پیمانے پر موجود ہیں، اور اخبارات میں یہودیوں اور صیہونیوں کے خلاف اکثر مضامین شائع ہوتے رہے۔

اس بارے میں مزید معلومات کے لئے عالمی مذہبی آزادی کی رپورٹ مجریہ 2005 دیکھی جاسکتی ہے۔

## د۔ ملک کے اندر اور بیرون ملک سفر، ترک وطن اور وطن واپسی کی آزادی

اس طرح کی آزادی کے لئے قانون موجود ہے، تاہم حکومت نے عملاً اس آزادی کو محدود کئے رکھا۔ حکومت نے بعض ممنوعہ علاقوں بشمول فاٹا کے بعض علاقوں میں جانے کے لئے خصوصی اجازت حاصل کرنے کی شرط عائد کئے رکھی۔

قانون میں اسرائیل جانے کی ممانعت ہے۔سرکاری ملازمین اور طلباء کو بیرون ملک جانے سے پہلے عدم اعتراض سرٹیفکیٹ حاصل کرنا پڑتا ہے؛ تاہم طلباء کے معاملے میں اس شرط پر شاذونادر ہی عمل کیا گیا۔ایسے افراد، جن کے نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہیں، انھیں بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں۔اس لسٹ میں اندازاً چار ہزار تین سو افراد کے نام شامل تھے۔یہ لسٹ اس لئے تیار کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو باہر جانے سے روکا جائے، جن کے خلاف مقدمات چل رہے ہیں۔تاہم اس لسٹ میں نیا نام شامل کرنے لئے کسی عدالتی کارروائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔لوگوں کو اس لسٹ سے اپنا نام خارج کرانے کے لئے سیکریٹری داخلہ اور اعلیٰ عدلیہ کے ایڈووکیٹ جنرل کے پاس اپیل کرنے کا حق حاصل ہے۔بعض اوقات عدالتوں نے اپوزیشن لیڈروں کے نام اس لسٹ سے خارج کرنے کے لئے کارروائی کی۔

قانون میں جبری جلاوطنی کی ممانعت ہے، تاہم سابق وزیراعظم نواز شریف اور ان کے بھائی شہباز شریف، سن 2000 کے حکومت کے ساتھ ایک سمجھوتے کے تحت، جلاوطن رہے۔سات نومبر کو حکومت نے نواز شریف اور ان کے اہل خانہ کو نئے پاسپورٹ جاری کردیئے اور انھیں سعودی عرب سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو خودساختہ جلاوطنی کی زندگی گزارتی رہیں۔اگر وہ ملک واپس آتیں تو انھیں کرپشن اور توہین عدالت کے متعدد مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا۔

## اندرون ملک بے گھر افراد

اخباری اطلاعات کے مطابق ملک میں اندازاً پندرہ لاکھ کشمیری مہاجرین موجود ہیں، جو بھارت کے زیر کنٹرول کشمیر سے بے گھر ہوکر آئے ہیں۔قانون کے تحت کشمیریوں کو برابر کے شہری حقوق حاصل ہیں۔

## مہاجرین کا تحفظ

پاکستان کے قانون میں کسی کو ملک میں پناہ دینے کی ان شرائط کو شامل نہیں کیا گیا، جو مہاجرین کی حیثیت کے بارے میں 1951 کے اقوام متحدہ کے کنونشن اور 1967 کے پروٹوکول میں موجود ہیں۔تاہم مہاجرین کے تحفظ کے لئے سرکاری طریقہ کار موجود ہے۔حکومت نے ایسے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا، جن کے بارے میں خدشہ تھا کہ اگر انھیں ان کے ملک واپس بھیجا گیا تو وہاں انھیں اذیتیں دی جاسکتی ہیں۔1979 سے حکومت نے لاکھوں افغان مہاجرین کو عارضی پناہ دے رکھی ہے۔اقوام متحدہ کے ادارہ مہاجرین کے مطابق حکومت نے سن 2005 میں مہاجرین کے بارے میں سروے مکمل کیا، جس کے مطابق اندازاً تیس لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں موجود تھے۔حکومت نے ان مہاجرین کی مدد کے لئے اقوام متحدہ کے ادارے کے ساتھ مل کر کام کیا۔حکومت نے سال کے دوران تین لاکھ پینسٹھ ہزار پانچ سو پچھتر افغان مہاجرین کی رضاکارانہ وطن واپسی کے کام میں بھی اقوام متحدہ کے ادارے کے ساتھ تعاون کیا۔

بعض اوقات پولیس نے افغان مہاجرین سے رشوت بھی طلب کی۔یہ معتبر اطلاعات بھی ملیں کہ اعلیٰ جنس اداروں کے بعض کارکنوں نے القائدہ کے ایجنٹوں کی تلاش کے دوران بعض اوقات مہاجرین کو ہراساں کیا۔بعض افغان مہاجر خواتین نے، جو غیر سرکاری تنظیموں میں ملازمت کرتی تھیں، اطلاع دی کہ طالبان کے حامی انھیں ہراساں کررہے ہیں۔مہاجرین کو مقامی لوگوں کی طرف سے سماجی امتیاز اور بدسلوکی کا بھی سامنا کرنا پڑا، جو مہاجرین کی طرف سے اقتصادی مسابقت کو پسند نہیں کرتے اور مہاجرین پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ جرائم کی شرح بڑھانے کے ذمہ دار ہیں۔اس طرح کی بدسلوکی اور امتیاز کا شکار خاص طور پر اکیلی خواتین اور ایسے خاندان بنتے ہیں، جن کی کفالت کی ذمہ داری خواتین کے پاس ہوتی ہے۔گلی بازاروں میں کام کرنے والے مہاجر بچے بھی بدسلوکی اور امتیاز کا نشانہ بنتے ہیں۔اندازاً تین لاکھ اردو بولنے والے بہاریوں نے، جو بنگلہ دیش میں مقیم ہیں، پاکستان میں آبادکاری کے لئے اپنی مہم جاری رکھی۔

## سیکشن تین۔ سیاسی حقوق کا احترام: حکومت تبدیل کرنے کا عوامی حق

قانون کے تحت عوام کو اپنی حکومت تبدیل کرنے کا حق حاصل ہے، تاہم عملاً یہ حق محدود رکھا گیا۔صدر مشرف 1999 سے برسراقتدار ہیں اور پی ایم ایل کی مخلوط

حکومت پر ان کا کنٹرول ہے۔

## انتخابات اور سیاسی شراکت داری

ملکی اور بین الاقوامی مبصرین کے مطابق سن 2002 کے قومی اسمبلی کے انتخابات اور حالیہ قومی انتخابات اور اگست میں مقامی حکومتوں کے انتخابات میں بڑے پیمانے پر بے ضابطگیاں کی گئیں۔

فوج کے سربراہ پرویز مشرف نے 1999 میں وزیر اعظم نواز شریف کی منتخب حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد سن 2001 میں ایک فرمان کے ذریعے عہدہ صدارت سنبھالا۔ سپریم کورٹ نے بعد میں اس کی منظوری دے دی، تاہم اس نے مشرف کو ہدائت کی کہ تین سال کے اندر منتخب حکومت بحال کی جائے۔ سن 2002 میں مشرف نے اپنی صدارت میں پانچ سال کی توسیع کے لئے قومی ریفرنڈم کرایا، اور دعویٰ کیا کہ انھیں ستانوے اعشاریہ پانچ فیصد ووٹ ملے ہیں۔ تاہم غیر جانبدار مبصرین کے مطابق اس ریفرنڈم میں بڑے پیمانے پر بے ضابطگیاں کی گئیں۔ سپریم کورٹ نے اس ریفرنڈم کو آئین کے مطابق قرار دیا، تاہم اس نے اس بات کی بھی اجازت دی کہ منتخب پارلیمنٹ ان نتائج پر نظر ثانی کرسکتی ہے۔ سن 2003 میں قومی اسمبلی نے سن 2007 تک کے لئے مشرف کے عہدہ صدارت کی توثیق کردی۔

سن 2002 میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مشرف کے لیگل فریم ورک آرڈر نے نئے امیدواروں کے لئے کئی شرائط مقرر کردیں۔ ملکی اور بین الاقوامی مبصرین نے سن 2002 کے انتخابات کے بارے میں کہا کہ ان میں بڑے پیمانے پر بے ضابطگیاں کی گئی ہیں۔ انھوں نے انتخابات کے طریقہ کار اور بعض اضلاع میں نتائج میں ردوبدل کی نشاندہی کی۔ بہت سے ممبروں کی طرف سے وفاداریاں بدلنے کے بعد، جن کے بارے میں اپوزیشن نے دعویٰ کیا کہ یہ وفاداریاں خریدی گئی ہیں، پی ایم ایل نے ایم کیو ایم، اور دوسری چھوٹی پارٹیوں اور اپوزیشن کے منحرف گروپوں کو ملا کر مخلوط حکومت بنائی۔ فروری 2003 میں سینیٹ کے براہ راست ہونے والے انتخابات سے مخلوط حکومت کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ دسمبر 2003 میں پارلیمنٹ نے ایل ایف او کے ایک بڑے حصے کو سترہویں ترمیم کے طور پر 1973 کے آئین میں شامل کرلیا۔ ان ترامیم میں سن دوہزار سات تک مشرف کے عہدہ صدارت کی توثیق کی گئی، اور انھیں دوہزار چار کے آخر تک ریاست کے دو عہدے رکھنے کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس طرح انھیں فوج کے سربراہ کا عہدہ بدستور اپنے پاس رکھنے کی اجازت مل گئی۔ اس ترمیم میں صدر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کو توڑ سکتا ہے، لیکن اس کے لئے اسے تیس دن کے اندر سپریم کورٹ کی منظوری حاصل کرنا ہوگی۔ اپوزیشن نے کہا کہ ترمیم شدہ آئین میں فوج کو سیاست میں ایک طاقتور کردار دے دیا گیا ہے، اور وزیر اعظم کے بہت سے اختیارات صدر کو منتقل کردیئے گئے ہیں، حالانکہ پہلے صدر کا عہدہ محض رسمی قسم کا ہوتا تھا۔ سن 2004 میں قومی اسمبلی نے اپوزیشن کے اعتراض کے باوجود ایک بل منظور کرلیا، جس میں مشرف کو دو عہدے نہ رکھنے کی پابندی سے مستثنیٰ کردیا گیا۔ دسمبر 2004 میں مشرف نے اعلان کیا کہ وہ فوج کے سربراہ کا عہدہ بدستور اپنے پاس رکھیں گے۔

سن 2005 کے دوران قومی اسمبلی اور کابینہ معمول کے مطابق کام کرتی رہی۔ اگست دوہزار چار میں قومی اسمبلی نے پی ایم ایل کے امیدوار اور سابق وزیر خزانہ شوکت عزیز کو وزیر اعظم منتخب کرلیا۔ اگرچہ تمام اپوزیشن جماعتوں نے اس بنا پر ووٹنگ کا بائیکاٹ کیا کہ ان کے امیدوار اور پی ایم ایل نون کے لیڈر جاوید ہاشمی کو اسمبلی میں آنے کی اجازت نہیں دی گئی، جو غداری کے جرم میں سزا کاٹ رہے ہیں۔ اپوزیشن پارٹیوں نے عزیز کے قومی اسمبلی کے ممبر بننے پر نکتہ چینی کی اور کہا کہ اٹھارہ اگست کو قومی اسمبلی کی دونشستوں پر ضمنی انتخابات میں انھیں دھاندلی کے ذریعے جتوایا گیا۔ ملکی اور بین الاقوامی مبصرین نے ان ضمنی انتخابات میں بعض بے ضابطگیوں کی نشاندہی کی، لیکن کہا کہ یہ انتخابات بالعموم آزادانہ، منصفانہ اور قابل اعتبار طریقے سے ہوئے۔

صدر مشرف نے مقامی حکومتوں کو بااختیار بنانے کے بارے میں قومی تعمیر نو بیورو کی تجویز کردہ اصلاحات کی حمائت جاری رکھی۔ اٹھارہ اور پچیس اگست کو ملک میں مقامی حکومتوں کی سب سے نچلی سطح یعنی یونین کونسلوں کے ممبروں اور ناظمین کے لئے براہ راست انتخابات ہوئے۔ بین الاقوامی مبصرین کے مطابق سندھ اور پنجاب کے صوبوں میں انتخابات میں سنگین بے ضابطگیوں کی نشاندہی کی، خصوصاً پچیس اگست کے انتخابی مرحلے میں۔ اپوزیشن امیدواروں اور ان کے حامیوں کو ڈرانے دھمکانے، سرکاری وسائل کے استعمال، ووٹوں کی خریداری اور ووٹنگ میں دھاندلی کے ذریعے بظاہر حکومت کے حمائت یافتہ امیدواروں کو فائدہ پہنچایا گیا، اور ممکنہ طور پر اٹھارہ اگست کو کراچی میں اور پچیس

اگست کو سندھ کے باقی حصوں اور پنجاب میں انتخابات کے نتائج پر اثر ڈالا گیا۔ چھ اکتوبر کو تحصیل اور ضلع کونسلوں میں اقلیتوں اور خواتین کی مخصوص نشستوں پر ناظمین کے لئے انتخابات ہوئے۔ بین الاقوامی مبصرین کے مطابق تمام سیاسی پارٹیاں، لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور ووٹوں کی خریداری میں ملوث پائی گئیں۔

حکومت نے تمام سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دیئے رکھی۔ حکومت نے پی پی پی اور پی ایم ایل نون کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ سابق وزرائے اعظم بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی جگہ، ملک میں موجود اپنے لیڈر منتخب کریں۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ایسی پارٹیوں کی رجسٹریشن سے انکار کر دیا، جن کے لیڈر سزا یافتہ ہوں۔ سیاسی جماعتوں کے ترمیم شدہ ایکٹ میں کسی شخص کو تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے کی اجازت نہیں۔ اس طرح بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے کی راہ روک دی گئی۔

اپوزیشن نے دعویٰ کیا کہ حکومت نے اس کے دو لیڈروں جاوید ہاشمی اور یوسف رضا گیلانی کو سیاسی وجوہات کی بنا پر عائد کردہ الزامات کے ذریعے قید کر رکھا ہے۔

فاٹا میں سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر سرکاری پابندی جاری رہی۔ امیدواروں کو کسی سیاسی جماعت کے نام پر الیکشن لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سیاسی جماعتوں کے اجتماعات پر پابندی بھی عائد رہی۔ سن 2002 کے قومی انتخابات میں کئی سیاسی پارٹیوں نے پس پردہ رہ کر مہم چلائی۔

شمالی علاقوں (گلگت، ہنزہ اور بلتستان) کے باشندوں پر آئین کا اطلاق نہیں ہوتا، اور نہ ہی انھیں وفاقی مقننہ میں کوئی نمائندگی حاصل ہے۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ایک سرکاری افسر نے ان علاقوں کا نظم و نسق چلائے رکھا، اور منتخب شمالی علاقہ جات کونسل، مشاورتی حیثیت میں کام کرتی رہی۔ آزاد کشمیر اسمبلی اور حکومت کے ارکان پر لازم ہے کہ وہ الیکشن لڑنے سے پہلے پاکستان سے وفاداری کا عہد کریں۔ بعض کشمیری سیاسی جماعتوں کو، جو کشمیر کی مکمل آزادی کی حامی ہیں، انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

تین سو بیالیس رکنی قومی اسمبلی میں تہتر اور کابینہ میں پانچ خواتین شامل تھیں۔ سپریم کورٹ میں کوئی خاتون نہیں تھی۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے لئے ساٹھ مخصوص نشستیں ہیں۔ صوبائی اسمبلیوں کی سات سو اٹھاون نشستوں میں بھی ایک سو اٹھائیس نشستیں اور لوکل کونسلوں کی ایک تہائی نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔ بعض ضلعوں میں سماجی اور مذہبی قدامت پرستوں نے خواتین کو الیکشن میں حصہ لینے سے روک دیا۔ تاہم بہت سے ضلعوں میں خواتین بلا مقابلہ بھی منتخب ہوئیں۔ خواتین نے انتخابات میں بڑی تعداد میں حصہ لیا؛ تاہم بعض سماجی روایات نے یا ان کے خاندان والوں یا مذہبی اور قبائلی لیڈروں نے خواتین کو حصہ نہیں لینے دیا۔ پی ایم ایل اور پی پی پی نے اپنے مقامی لیڈروں کو ایسے سمجھوتے کرنے سے منع کر دیا، جن سے خواتین مقامی انتخابات میں کھڑی نہ ہو سکیں یا ووٹ نہ ڈال سکیں۔ الیکشن کمیشن نے صوبہ سرحد کے بعض حصوں میں یونین کونسلوں کے انتخابات اس وجہ سے کالعدم قرار دے دیئے کہ وہاں خواتین کو ووٹ ڈالنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ صوبائی وزرائے اعلیٰ نے کابینہ میں خواتین کو شامل کیا۔

342 رکنی قومی اسمبلی میں اقلیتوں کے دس اور سپریم کورٹ میں ایک نمائندہ تھا، جب کہ کابینہ میں کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ قومی اسمبلی کے تمام دس اقلیتی ممبران، مذہبی اقلیتوں کے لئے مخصوص نشستوں پر منتخب ہوئے ہیں۔ یہ نشستیں، پارلیمنٹ میں پارٹیوں کو ان کی مجموعی منتخب نشستوں کے تناسب سے دی جاتی ہیں۔ اقلیتی نشستوں کے لئے براہ راست انتخابات کا سابقہ طریقہ کار ترک کر دیا گیا ہے۔ قانون کے تحت، صوبائی اسمبلیوں میں بھی اقلیتوں کے لئے نشستیں مخصوص ہیں۔ (دیکھئے سیکشن دو۔ج)۔ ووٹروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا اندراج کراتے وقت اپنا مذہب بھی درج کرائیں۔

## حکومت میں کرپشن اور شفافیت

سن 2005 میں بھی انتظامیہ اور مقننہ کے عہدیداروں میں کرپشن کا مسئلہ موجود رہا، اور اس کرپشن کے بارے میں عوام میں تاثر عام تھا۔ قومی احتساب آرڈی ننس کے تحت نیب کے سزا یافتہ افراد، دس سال تک سیاسی عہدے پر فائز نہیں ہو سکتے۔ (دیکھئے سیکشن ا۔الف)۔ نیب نے مقدمے چلانے کے لئے خاص طور پر اپوزیشن کے سیاستدانوں کو نشانہ بنایا، جب کہ فوج کے ارکان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی۔

سن 2002 میں آزادی معلومات کا قانون منظور کیا گیا، تاہم اس میں شہریوں کے معلومات کی آزادی کے حق کو خاصا محدود رکھا گیا ہے اور یہ بات غیر واضح ہے کہ یہ کس حد تک موثر ثابت ہوا ہے۔ ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی، جس سے پتہ چل سکے کہ سال کے دوران صیغہ راز سے نکالی جانے والی معلومات کے حصول کے لئے لوگوں نے اس قانون سے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔

## سیکشن چار: انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزیوں کے سلسلے میں بین الاقوامی اور غیر سرکاری تحقیقات کے بارے میں حکومتی رویہ

انسانی حقوق کی بہت سی ملکی اور بین الاقوامی تنظیمیں، بالعموم حکومت کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر کام کرتی رہیں، اور انسانی حقوق کے معاملات کی تحقیق کرتی رہیں اور اپنی رپورٹیں شائع کرتی رہیں۔ ان تنظیموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رجسٹریشن کرائیں، تاہم اس شرط پر عام طور پر زور نہیں دیا گیا۔ سرکاری اہلکاروں نے اکثر ان تنظیموں سے تعاون کیا اور ان کے خیالات پر توجہ دی۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے بتایا ہے کہ انھیں تھانوں اور جیلوں میں جانے کی بالعموم اجازت دی گئی۔ پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن نے سال کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات کی تحقیقات جاری رکھیں اور انسانی حقوق کے مسائل پر مذاکروں کا اہتمام کیا۔

صدر مشرف نے خواتین کی حقوق کی ملکی تنظیموں پر نکتہ چینی کی اور کوشش کی کہ وہ آبروریزی اور جنسی زیادتیوں کے واقعات بین الاقوامی سطح پر نہ اٹھائیں، کیونکہ اس طرح سے ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔

چودہ مئی کو لاہور میں پولیس نے انسانی حقوق کی بہت سی تنظیموں کو ایک علامتی مخلوط منی میراتھن دوڑ کا اہتمام کرنے سے روک دیا، جو خواتین کے خلاف تشدد کے معاملے کو اجاگر کرنا چاہتی تھیں۔ پولیس کا کہنا تھا کہ منتظمین کے پاس ضروری اجازت نامہ نہیں ہے۔ (دیکھیے سیکشن دو۔ب)۔ جن لوگوں نے پولیس کے حکم پر منتشر ہونے سے انکار کیا، ان کی گرفتاری کے دوران پولیس نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ اور پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن کی سربراہ عاصمہ جہانگیر کو مارا پیٹا اور ان کی قمیص پھاڑ دی۔

بین الاقوامی مبصرین کو ملک میں آنے جانے اور سفر کرنے کی آزادی رہی۔ حکومت نے انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں سے بالعموم تعاون کیا۔ ریڈ کراس کا ایک وفد بھی آیا۔

قانون، انصاف اور انسانی حقوق کے بارے میں سینیٹ اور قومی اسمبلی کی اسٹینڈنگ کمیٹیوں نے بہت سے معاملات پر اجلاس منعقد کئے، جن میں غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم اور انسداد توہین مذہب کے قانون اور حدود آرڈی ننس کا پولیس کی طرف سے غلط استعمال کا معاملہ شامل تھا۔ ان کمیٹیوں نے اس طرح کے کیسوں کے بارے میں لوگوں میں شعور اجاگر کرنے میں ایک مفید فورم کے طور پر کام کیا لیکن ان کے حتمی فیصلے عموماً سرکاری پالیسی کے مطابق رہے۔ انسانی حقوق کے بارے میں پارلیمانی نمائندوں کا کمیشن، جس میں تمام پارٹیوں کو نمائندگی حاصل ہے، اہم شعبوں میں اصلاحات کے لئے موثر طور پر کوششیں کرتا رہا۔

## سیکشن پانچ: امتیازی سلوک، سماجی زیادتیاں اور انسانوں کی اسمگلنگ

قانون میں تمام شہریوں کو برابر کا درجہ حاصل ہے اور نسل، مذہب، سکونت یا جائے پیدائش کی بنیاد پر ہر قسم کے امتیاز کی ممانعت ہے۔ تاہم عملاً ان اسباب کی بنیاد پر نمایاں امتیازی رویہ دیکھنے میں آیا۔

## خواتین

گھریلو تشدد وسیع پیمانے پر ہوا اور یہ ایک سنگین مسئلے کو طور پر برقرار رہا۔ خاوندوں نے اکثر اپنی بیویوں کو مارا پیٹا اور کئی ایک کو قتل کر دیا۔ سسرال والوں نے اکثر نئی شادی شدہ خواتین پر ظلم کیا۔ جہیز اور خاندانی جھگڑے اکثر خواتین کی موت کا سبب بنے یا انھیں آگ لگائی گئی۔ ان پر تیزاب بھی پھینکا گیا، جس سے ان کے چہرے مسخ ہو گئے۔ یکم مئی کو پشاور میں انور خان نامی ایک شخص نے اس بنا پر اپنی بیوی رشیدہ بی بی کو قتل کر دیا کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ تقریباً آٹھ سو چھتیس ڈالر (پچاس ہزار روپے) کے عوض ایک افغان باشندے کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سن 2005 کے دوران چولھے پھٹنے سے ایک سو چونتیس اموات واقع ہوئیں۔ ان میں سے کئی واقعات سسرال کے ساتھ جھگڑے کا نتیجہ تھے۔

پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن کے مطابق ہر دو میں سے ایک خاتون کو ذہنی اذیت یا جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ خواتین کی حیثیت کے بارے میں قومی کمیشن نے گھریلو تشدد کے خلاف خصوصی قوانین بنانے کا مطالبہ کیا۔ ایسے قوانین کی عدم موجودگی کی وجہ سے ملزمان پر حملے کی فرد جرم عائد کی جاسکتی ہے، لیکن اکثر مقدمات درج ہی نہیں کرائے جاتے۔ پولیس اور ججوں نے گھریلو تشدد کے کیسوں میں عموماً کسی کارروائی سے گریز کیا اور اسے محض ایک خاندانی مسئلہ قرار دیا۔ اکثر ایسی خواتین کو، جنھیں مارا پیٹا گیا تھا، واپس سسرال بھیج دیا گیا۔ خواتین نے اس وجہ سے بھی مقدمات کی پیروی نہ کی کہ اس طرح ان پر طلاق کا دھبہ لگ جائے گا۔ اس کے علاوہ انھیں اقتصادی اور نفسیاتی طور پر رشتہ داروں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ رشتہ دار اس خوف سے اس طرح کے واقعات کی رپورٹ درج نہیں کراتے کہ اس سے خاندان بدنام ہوگا۔

حکومت نے خواتین کے خلاف تشدد پر نکتہ چینی کی۔ خواتین کے لئے ہنگامی امداد کا سرکاری سنٹر، مظلوم خواتین کے معاملات، مدد کے لئے این جی اوز کو بھیجتا ہے۔ سال کے دوران اسٹرگل فار چینج (سچ) نامی تنظیم نے، جس نے مظلوم خواتین کے لئے پناہ گاہ یا شیلٹر کا انتظام کر رکھا ہے، انچاس خواتین کو پناہ فراہم کی، انھیں روزگار کی تلاش میں مدد دی اور قانونی امداد بھی فراہم کی۔ اس کے علاوہ اس نے مزید ایک سو سات خواتین کو قانونی یا مالی مدد دی۔ صوبائی حکومتوں نے ضلعی سطح پر مصیبت زدہ خواتین کے لئے شیلٹر کا انتظام کیا۔ تیرہ اگست کو حیدر آباد میں کنول نامی ایک خاتون ایک شیلٹر سے فرار ہونے کی کوشش میں چھت سے گر گئی، اور زخمی ہونے کی وجہ سے اگلے روز اس کی موت واقع ہو گئی۔ شیلٹر کے دوسرے مکینوں کے مطابق کنول شیلٹر میں اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے تنگ آ کر بھاگنا چاہتی تھی۔ ابتدائی رپورٹ میں شیلٹر کے رات کے عملے پر الزام لگایا گیا کہ اس نے کنول کو نہ تو ابتدائی طبی امداد دی اور نہ ہی فوری طور پر کوئی ڈاکٹر بلایا۔

شریک حیات کے سوا کسی دوسرے شخص کی طرف سے جنسی تعلقات ایک فوجداری جرم ہے۔ البتہ اگر شریک حیات، رخصتی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرتا ہے تو اس پر فرد جرم عائد نہیں کی جاسکتی۔ سال کے دوران آبروریزی کے بہت سے واقعات ہوئے، لیکن بہت کم صورتوں میں مقدمات تک نوبت پہنچی۔ اندازاً ایک تہائی سے بھی کم آبروریزی کے واقعات کی پولیس میں رپورٹ درج کرائی گئی۔ بعض اوقات پولیس خود بھی اس طرح کے واقعات میں ملوث پائی گئی۔

تین مئی کو پولیس نے مبینہ طور پر سونیا ناز نامی ایک خاتون کو اغوا کیا اور دس سے بارہ دن تک اسے حراست میں رکھا۔ سونیا ناز کے بقول اس عرصہ میں جمشید چشتی نامی ایس ایچ او نے فیصل آباد پولیس سپرنٹنڈنٹ عبداللہ خالد کے حکم پر اس کی آبروریزی کی۔ اکیس اپریل کو قومی اسمبلی کے اسپیکر نے سونیا ناز کی گرفتاری کا حکم دیا تھا، کیونکہ وہ غیر قانونی طور پر ایوان میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے لئے مدد حاصل کرنا چاہتی تھی، کیونکہ یہی پولیس والے چوری شدہ گاڑیوں کی تفتیش کے سلسلے میں اس کے شوہر کو مبینہ طور پر تنگ کر رہے تھے۔ اسپیکر نے بعد میں سات اکتوبر کو اپنا حکم واپس لے لیا۔ پولیس نے شروع میں آبروریزی کا مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیا، تاہم سپریم کورٹ کے حکم پر بارہ اکتوبر کو متعلقہ افسران کو آبرویزی کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ جب ابتدائی تفتیش میں آبروریزی کے بارے میں متضاد نتائج سامنے آئے، جن میں ایک نتیجے میں سونیا ناز پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کو اس نے آبروریزی کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے، تو سپریم کورٹ نے اعلیٰ حکام کی ایک اور تفتیشی ٹیم مقرر کی، جس نے چھبیس اکتوبر کو اپنا کام شروع کیا۔ عدالتوں نے عبداللہ اور چشتی کی ابتدائی ضمانت منسوخ کر دی اور وہ اٹھارہ اور انیس اکتوبر کو باری باری پولیس کے سامنے پیش ہو گئے۔ ستمبر میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے ان دونوں کو پولیس کی ملازمت سے معطل کر دیا۔

سال کے دوران آبروریزی کی شکار کئی خواتین پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ الزامات واپس لے لیں۔ پولیس اور پراسیکیوٹرز نے اکثر ایسی خواتین کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر انھوں نے یہ ثابت نہ کیا کہ ان کی رضامندی شامل نہیں تھی تو ان پر زنا اور بدکاری کا مقدمہ ہوسکتا ہے۔ ایسے واقعات بھی ہوئے، جن میں اس طرح کی خواتین کو ان الزامات میں جیل بھی بھیجا گیا۔ حدود آرڈی ننس میں آبروریزی کی شہادت کا معیار یہ ہے کہ آیا ملزم کو قرانی سزا دی جائے گی یا سیکولر سزا۔ قرانی سزا کی صورت میں، جو سرعام کوڑے مارنے یا سنگ سار کرنے کی صورت میں ہوسکتی ہے، متاثرہ خاتون پر لازم ہے کہ وہ چار بالغ مسلم گواہ پیش کرے یا ملزم خود اقبال جرم کرلے۔ تاہم ابھی تک آبروریزی کے بارے میں قرانی سزا کسی کو نہیں دی گئی۔ سیکولر سزا کی صورت میں شہادت کا معیار نسبتاً نرم ہے۔ اس صورت میں پچیس سال تک قید اور تیس کوڑوں کی سزا ہوسکتی ہے۔ یہ سزا اکثر دی گئی۔ عدالتوں، پولیس اور پراسیکیوٹرز نے بعض اوقات آبروریزی کے کیسوں کی پیروی سے اس وقت انکار کردیا، جب قرانی معیار کے مطابق شہادت ملنا ممکن نہیں تھا۔

پولیس نے ملزمان سے رشوت لے کر اکثر آبروریزی کی شکار خواتین کو لعن طعن کی یا انھیں ڈرایا دھمکایا کہ وہ مقدمہ واپس لے لیں۔ پولیس نے بعض متاثرہ خواتین کا مقدمہ درج کرنے کے لئے رشوت بھی طلب کی۔ پولیس کی تفتیش اکثر سطحی نوعیت کی رہی۔ طبی عملہ اکثر آبروریزی کی شہادت تیار کرنے کے لئے پوری طرح تربیت یافتہ نہیں تھا۔ طبی عملے نے بعض اوقات متاثرہ خواتین سے زبانی یا عملی زیادتی بھی کی اور ان پر بدکاری کا الزام لگایا۔ بدکاری کی ملزم خواتین کو اکثر ان کی مرضی کے خلاف طبی معائنے پر مجبور کیا گیا، حالانکہ قانوناً ان کی رضامندی ضروری ہے۔ ججوں نے آبروریزی کے ملزموں کو سزا دینے میں تامل سے کام لیا، یا شہادت کے ایک دوسرے سے مختلف معیار اپنائے اور بعض اوقات مجرم کی بجائے متاثرہ خواتین کو بدکاری کے الزام میں سزا دینے کی دھمکی دی۔ بعض اوقات خاندان یا قبیلے والوں نے متاثرہ خواتین کو قتل کردیا یا انھیں خودکشی پر مجبور کیا۔

دو جنوری کو بلوچستان کے علاقہ سوئی میں ایک نامعلوم شخص پاکستان پٹرولیم کمپنی کی ملازم ڈاکٹر شازیہ خالد کے بیڈروم میں گھس گیا اور اس کی آبروریزی کی۔ ڈاکٹر شازیہ ملزم کی شناخت نہیں کرسکی لیکن بلوچ قوم پرست لیڈروں نے دعویٰ کیا کہ فرنٹیئر کور کا عملہ اس جرم کا ذمہ دار ہے اور حکومت اس پر پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔ حکومت کا کہنا تھا کہ ڈی این اے ٹیسٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص پر شبہ ظاہر کیا جارہا تھا، وہ بے قصور ہے۔ فروری میں ایک قبائلی جرگے نے فیصلہ دیا کہ ڈاکٹر شازیہ کے واقعے سے قبیلے کی بے عزتی ہوئی ہے، اس لئے ڈاکٹر شازیہ کو قتل کردیا جائے۔ مارچ میں ڈاکٹر شازیہ اور اس کا شوہر ملک سے باہر چلے گئے۔ سال کے اختتام تک اس واقعے کے بارے میں تفتیش میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی تھی۔

تین مارچ کو لاہور ہائی کورٹ نے چھ میں سے پانچ ملزمان کی سزائے موت کالعدم قرار دے دی، جن پر مختیار بی بی کی اجتماعی آبروریزی کا الزام تھا، اور چھٹے ملزم کی سزائے موت کو پچیس سال قید میں تبدیل کردیا۔ گیارہ مارچ کو وفاقی شرعی عدالت نے ہائی کورٹ کے فیصلے کو معطل کردیا اور مقدمے پر نظر ثانی تک ملزمان کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا۔ تیرہ مارچ کو سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ اور شرعی عدالت دونوں کے فیصلے معطل کردیئے، تاہم ملزمان کو جیل سے باہر رہنے کی اجازت دے دی۔

جون کے اوائل میں مختیار نے کہا کہ وہ خواتین کی حقوق کی ایک بین الاقوامی کانفرنس سے خطاب کرنے کیلئے باہر جانا چاہتی ہے۔ اس پر حکومت نے صدر پرویز مشرف کے حکم پر اس کا نام ای سی ایل میں شامل کردیا، اور اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ باہر نہ جائے اور اسے ویزا حاصل کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ بعد میں پندرہ جون کو وزیراعظم نے مختیار کا نام ای سی ایل سے نکلوادیا، تاہم اس نے باہر کا سفر نہیں کیا۔ اٹھائیس جون کو سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ وہ اجتماعی آبروریزی کا کیس اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے، اور حکم دیا کہ مقدمے کی سماعت کے دوران پانچ ملزمان کو بلاضمانت قید میں رکھا جائے۔ اسی روز حکومت نے حکم دیا کہ اس کیس میں ابتدائی طور پر جن آٹھ ملزمان کو بری کردیا گیا تھا، انھیں تحفظ امن عامہ آرڈی ننس کے تحت گرفتار کرلیا جائے کیونکہ ان سے مختیار بی بی کو خطرہ ہے۔ اکتوبر میں مختیار نے بیرون ملک سفر کیا اور اس مرتبہ اس کے باہر جانے کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی۔

شوہر اور خاندان کے لوگ حدود آرڈی ننس کے تحت اکثر خواتین کے خلاف بدکاری کے جھوٹے الزامات لگاتے رہے۔ اگرچہ عدالتوں نے بہت سے الزامات مسترد کردیئے، تاہم جن خواتین پر اس طرح کے الزامات لگائے گئے، انھیں مہینوں بلکہ برسوں جیل میں رہنا پڑا، اور ان کی بدنامی الگ ہوئی۔ خواتین کی حیثیت کے بارے میں سرکاری قومی کمیشن نے حدود آرڈی ننس کی منسوخی پر زور دیا۔ چار جنوری کو صدر مشرف نے ایک قانون کی منظوری دی، جس میں لازم قرار دیا گیا ہے کہ پہلے اعلیٰ پولیس افسران، کسی خاتون کے خلاف لگائے جانے والے بدکاری کے الزامات کا جائزہ لیں اور خاتون کی گرفتاری سے پہلے عدالت حکم جاری کرے۔ بدکاری کے الزمات میں جو خواتین جیل میں بند تھیں، اور مقدمے کا انتظار کررہی تھیں، ان کی تعداد کم ہوکر تینتیس فیصد رہ گئی۔

سال کے دوران غیرت کے نام پر عورتوں کو قتل کرنے یا ان کے اعضا کاٹنے کے واقعات بھی پیش آتے رہے۔(دیکھئے سیکشن ا۔الف)۔خواتین اکثر اپنے شوہروں اور مرد رشتہ داروں کے ہاتھوں اس طرح کے جرائم کا نشانہ بنتی رہیں۔سال کے دوران غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کی صحیح تعداد دستیاب نہیں،تاہم انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ اس طرح کے جرائم عام ہوتے رہے،جن میں سے بیشتر سندھ میں ہوئے۔پنجاب،بلوچستان،صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں بھی اس طرح کے واقعات ہوئے۔چار جنوری کو صدر مشرف نے ایک قانون کی منظوری دی،جس میں غیرت کے نام پر ہونے والے تمام جرائم پر سزا بڑھا دی گئی اور متاثرہ خواتین یا ان کے ورثاء کو ہرجانے کے عوض ملزمان کو معاف کر دینے کے حق کو محدود کر دیا گیا۔

بائیس جنوری کو لاہور میں ریاض نامی ایک شخص نے اپنی بھتیجی عائشہ جاوید کو اس الزام میں گولی مار کر قتل کر دیا کہ اس کے پڑوسی محبوب خان سے ناجائز تعلقات تھے۔ریاض نے محبوب خان کے گھر پر بھی حملہ کیا اور اس کے والد یعقوب خان کو قتل اور اس کے دو بھائیوں کو شدید زخمی کر دیا۔پولیس نے ریاض اور اس کے دو ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔سال کے اختتام تک تمام ملزمان حراست میں تھے۔اکیس مارچ کو سندھ کے ضلع شکار پور کے گاؤں پٹھان واہ میں یوسف نامی شخص نے اپنی نو بیاہتا بیوی اربیلی کو شادی کی تقریب کے صرف دو گھنٹے بعد گولی مار کر قتل کر دیا،اور الزام لگایا کہ اس کے اپنے کزن عبدالستار میر بہار سے ناجائز تعلقات تھے۔سال کے اختتام تک یوسف اور اس کے چھ ساتھی مفرور تھے۔

ملک میں بوہرہ مسلمانوں کی تعداد اندازاً ایک لاکھ ہے۔ان کے ہاں خواتین کے ختنے کا سلسلہ جاری رہا۔اس رسم کے اعداد وشمار دستیاب نہیں،تاہم اطلاعات کے مطابق ان میں کمی آئی۔

جنسی طور پر تنگ کرنے کے واقعات بڑے پیمانے پر ہوتے رہے۔ضابطہ تعزیرات پاکستان میں اس طرح کے جرائم کی ممانعت ہے،تاہم ایسا بہت کم ہوا کہ کسی پر مقدمہ چلایا گیا ہو۔

عصمت فروشی غیر قانونی ہے۔زیادہ تر طوائفیں یا تو گھریلو تشدد کے نتیجے میں یا بین الاقوامی انسانی اسمگلنگ کے نتیجے میں طوائف بننے پر مجبور ہوئیں۔پولیس نے قحبہ خانوں پر چھاپے مارے،تاہم خصوصاً بڑے شہروں میں،کئی قحبہ خانے خفیہ طور پر کام کرتے رہے۔

قانون میں جنس کی بنیاد پر امتیاز برتنے کی اجازت نہیں ہے۔تاہم عموماً اس قانون پر عمل نہیں کرایا گیا۔عائلی قوانین،جائداد کے قوانین اور عدالتی نظام میں خواتین کو امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔(دیکھئے سیکشن دو۔ج)۔حدود آرڈی ننس میں خواتین کے خلاف عدالتی امتیاز موجود ہے۔قرآنی سزا سے تعلق رکھنے والے کیسوں میں خواتین کی شہادت کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔دوسرے کیسوں میں،جن کا تعلق جائداد یا آئندہ کی ذمہ داریوں سے ہو،ان میں مرد کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی تصور کی جاتی ہے۔

عائلی قوانین میں طلاق اور نان ونفقہ کے حوالے سے خواتین کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور کم سن بچوں کی تحویل اور کفالت کے لئے واضح اصول مقرر ہیں،لیکن بہت سی خواتین ان قانونی حقوق سے یا تو ناواقف تھیں یا ایسی قانونی مدد حاصل کرنے سے قاصر تھیں،جو یہ حقوق حاصل کرنے کے لئے درکار تھی۔طلاق یافتہ خواتین اکثر بے سہارا ہو گئیں اور خاندان والوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔دلھنوں کی خرید وفروخت پر پابندی ہے،لیکن دیہی علاقوں میں یہ سلسلہ جاری رہا۔خواتین کو قانوناً اپنی پسند کی شادی کرنے کی اجازت ہے،لیکن جن خواتین نے پسند کی شادی کی،اکثر خاندان والوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا یا وہ غیرت کے نام پر جرائم کا شکار ہوئیں۔

قانون وراثت میں خواتین سے امتیاز برتا جاتا ہے۔وراثت میں بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں آدھا حصہ ملتا ہے۔بیویوں کو ان کے شوہر کے ورثہ سے صرف آٹھواں حصہ ملتا ہے۔اکثر خواتین کو ان کے حصے سے بھی کم ورثہ دیا گیا۔دیہی سندھ میں جاگیرداروں نے لڑکیوں کی قرآن سے شادی کا سلسلہ جاری رکھا،تاکہ ان کی جائداد تقسیم نہ ہو جائے۔

قرآن سے بیاہی جانے والی لڑکی کی جائداد اس کے والد یا سب سے بڑے بھائی کے کنٹرول میں رہتی ہے۔ایسی خواتین کو چودہ سال سے زیادہ عمر کے کسی مرد سے

ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

خواتین سے ملازمت کے سلسلے میں بھی امتیاز برتا گیا اور اکثر انھیں مردوں کے مقابلے میں کم معاوضہ دیا گیا۔ بہت سے دیہی علاقوں میں شدید سماجی دباؤ نے خواتین کو گھر سے باہر کام کرنے سے روکے رکھا۔ بعض قبائل نے خواتین کو رشتہ داروں کے سوا باقی تمام مردوں سے میل جول رکھنے پر روائتی پابندی کا سلسلہ جاری رکھا۔

خواتین کی بہبود کی وزارت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں عملے اور فنڈز کی کمی کا مسئلہ درپیش رہا۔ خواتین کی حیثیت کے قومی کمیشن کی خالی اسامیاں پُر نہ ہونے کی وجہ سے کمیشن کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ صدر مشرف نے جون میں نیوزی لینڈ اور ستمبر میں امریکہ کے دورے کے موقع پر خواتین کی ملکی اور بین الاقوامی تنظیموں پر الزام لگایا کہ وہ ملک میں خواتین کی آبروریزی اور ان پر تشدد کے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر نے کہا کہ آبروریزی کو دولت کمانے کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے اور بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ باہر جانا چاہتے ہیں اور کینیڈا کا ویزا اور شہریت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور کروڑ پتی بننا چاہتے ہیں تو آبروریزی کے ذریعے یہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ستمبر میں اسلام آباد میں حکومت کے زیر اہتمام خواتین کے حقوق کے بارے میں ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا۔

خواتین کی متعدد تنظیموں نے شہری علاقوں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان میں پروگریسو ویمن ایسوسی ایشن، اسٹر گل فار چینج اور عورت فاؤنڈیشن شامل ہیں۔ ان تنظیموں نے خاص طور پر گھریلو تشدد، حدود آرڈی ننس اور غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کے خلاف آواز بلند کی۔

## بچے

حکومت اپنے قوانین اور پروگراموں میں بچوں کے حقوق اور فلاح و بہبود سے اپنی گہری وابستگی کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ لازمی تعلیم کے لئے کوئی وفاقی قانون نہیں ہے۔ پبلک اسکولوں میں تعلیم مفت ہے، تاہم کتابوں، دوسرے تعلیمی مواد اور یونیفارم پر فیس عائد کی گئی۔ بہت سے دیہی علاقوں میں پبلک اسکول، خصوصاً پرائمری سے اوپر کے درجے کے اسکول موجود نہیں، جس کی وجہ سے والدین کو اپنے بچے پرائیویٹ اسلامی اسکولوں (مدرسوں) میں داخل کرانا پڑتے ہیں۔ شہری علاقوں میں بہت سے والدین نے پبلک اسکولوں میں سہولتوں اور معیاری تعلیم کے فقدان کی وجہ سے اپنے بچے پرائیویٹ اسکولوں میں داخل کرائے۔

ایک غیر ملکی امدادی تنظیم کے مطابق پانچ سے نو سال کی عمر کے اٹھارہ ملین بچوں میں سے صرف بیالیس فیصد اسکول جا رہے تھے۔ اسکول داخل ہونے والے بچوں میں سے نصف سے بھی کم نے پانچ سال سے زیادہ کی تعلیم مکمل کی۔ داخل ہونے والے ہر سو بچوں میں سے صرف چھ نے بارہویں جماعت تک تعلیم مکمل کی۔ خواندگی کی شرح اڑتیس فیصد ہے، جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لڑکوں میں یہ شرح پچاس فیصد اور لڑکیوں میں چوبیس فیصد ہے۔ یہ فرق بچیوں سے روائتی امتیازی سلوک کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ تعلیم حاصل کرنے والی بچیوں کی تعداد بڑھی ہے، تاہم بچیوں کے خلاف خصوصاً دیہی علاقوں میں امتیاز برتنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اقوام متحدہ کے تخمینوں کے مطابق آٹھ اکتوبر کے زلزلے سے بارہ ہزار میں سے سات ہزار اسکول تباہ ہوگئے۔

بہت سے علاقوں میں مدارس، پبلک اسکولوں کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتے رہے۔ بہت سے مدارس میں مناسب تعلیم کا انتظام نہیں تھا۔ وہاں صرف اسلامی تعلیمات پر توجہ دی جاتی رہی۔ ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو اکثر حصول روزگار میں ناکامی ہوئی۔ اطلاعات کے مطابق چند ایک مدارس نے، خصوصاً افغان سرحدی علاقے میں، مذہبی انتہا پسندی اور تشدد کی تعلیم جاری رکھی۔ حکومت نے مدارس تعلیم کو جدید بنانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ ملک کے پانچ خود مختار مدرسہ بورڈز کے ساتھ ایک سمجھوتہ طے پایا، جس کے تحت ان بورڈز نے اپنے زیر اہتمام چلنے والے پچاسی فیصد مدارس کو رجسٹر کرانے پر اور جدید تعلیمی نصاب متعارف کرانے پر اتفاق کیا۔ اساتذہ کی تربیت کے لئے حکومت نے بجٹ میں رقم مختص کی۔

بیشتر مدارس میں طلباء سے اچھا سلوک کیا گیا۔ تاہم اخباری اطلاعات کے مطابق بعض مدرسوں میں بچوں کو غیر قانونی طور پر محبوس یا غیر صحتمند ماحول میں رکھا گیا اور ان سے جسمانی یا جنسی زیادتی کی گئی۔

بچوں کے علاج کے انتظامات بہت حد تک ناقص رہے۔ بچوں کی صحت کی نگہداشت کے قومی ادارے کے مطابق، پیدائش سے پانچ سال تک کی عمر کے بچوں کی ستر فیصد اموات اسہال اور کم غذائیت جیسے اسباب سے ہوئیں، جن سے بآسانی بچا جا سکتا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علاج کی ایک جیسی سہولیات ہیں، تاہم والدین نے لڑکوں کے علاج پر زیادہ توجہ دی۔ آٹھ اکتوبر کے زلزلے سے بچے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ یونیسیف کے اندازے کے مطابق زلزلے میں ہلاک ہونے والے تہتر ہزار لوگوں میں سے آدھی تعداد بچوں کی تھی۔ این جی اوز کے مطابق زلزلے سے صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر میں دو ملین بچے بری طرح متاثر ہوئے۔

بچوں سے زیادتی کا سلسلہ بڑے پیمانے پر جاری رہا۔ بچوں کے حقوق کی این جی اوز کے مطابق زیادتی کے بیشتر واقعات خاندانوں کے اندر پیش آئے۔ دیہی علاقوں میں غریب والدین نے اپنے بچوں کو جبری مزدوروں کے طور پر بیچا۔ (دیکھئے سیکشن۔ چھ۔د) اور بعض اوقات اپنی بچیاں زمینداروں کو فروخت کیں۔ لڑکوں کی شادی کی قانونی عمر اٹھارہ اور لڑکیوں کی سولہ سال ہے۔ قانون میں ایسی کوئی شق شامل نہیں، جس سے اس سے کم عمر کے بچے والدین کی مرضی سے شادی کر سکیں۔ کم عمری کی شادیوں کے بارے میں کوئی مستند اعداد وشمار دستیاب نہیں تھے، تاہم این جی اوز کے مطابق کم عمری کی شادیوں کا مسئلہ موجود رہا، خصوصاً صوبہ سرحد کے اضلاع دیر اور سوات میں پشتون ذیلی قبیلوں میں، جہاں گیارہ سال تک کی بچیوں کی شادی کے لئے خرید و فروخت ایک عام بات رہی۔

بچوں کی اسمگلنگ اور جنسی استحصال کے مسائل بھی موجود رہے (دیکھئے سیکشن پانچ، انسانوں کی اسمگلنگ)

بچوں کی مشقت بھی ایک اہم مسئلے کے طور پر موجود رہی (دیکھئے سیکشن چھ۔د)

ساحل، اسپارک اور روزن جیسی این جی اوز نے بچوں کی مشقت، جنسی استحصال اور اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے کوششیں جاری رکھیں۔ ان این جی اوز نے متاثرہ بچوں کی قانونی اور طبی مدد کرنے اور لوگوں میں ان کے مسائل کے بارے میں شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

## انسانی اسمگلنگ

قانون، انسانی اسمگلنگ کی ممانعت کرتا ہے، تاہم یہ ایک سنگین مسئلے کے طور پر موجود رہی۔ سن 2002 کے آرڈی ننس کے تحت ہر قسم کی انسانی اسمگلنگ ممنوع ہے، اور اس جرم پر سات سے چودہ سال کی قید اور جرمانے کی سزا مقرر ہے۔ اس آرڈی ننس کے تحت سال کے دوران حکومت نے انسانی اسمگلنگ کے پانچ سو تیرہ مشتبہ ملزمان کو پکڑا اور ایک سو نا سی پر مقدمہ چلایا گیا۔ ایف آئی اے کا ایک خصوصی یونٹ، انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کا ذمہ دار رہا۔ انسانی اسمگلنگ کے بارے میں ایک بین الوزارتی کمیٹی نے اس مقصد کے لئے وفاقی سطح پر کوششوں کو مربوط بنانے کا کام کیا۔ حکومت نے بین الاقوامی سطح پر انسانی اسمگلنگ کی تحقیقات کے لئے دوسرے ملکوں کی بھی مدد کی۔

اگرچہ انسانی اسمگلنگ کے بارے میں درست اعداد وشمار موجود نہیں، تاہم اطلاعات کے مطابق انسانوں کو اسمگل کر کے لایا، لے جایا جاتا رہا۔ بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، برما، نیپال اور وسطی ایشیا سے عورتوں اور بچیوں کو روزگار کا جھانسہ دے کر پیشہ کرانے کے لئے لایا جاتا رہا۔ اسی طرح ملک سے بھی عورتوں اور بچیوں کو مشرق وسطیٰ پہنچایا گیا، جہاں ان سے جبری مشقت کرائی گئی یا گھریلو غلامی میں دے دیا گیا۔ اس طرح کی عورتوں اور بچیوں سے پاسپورٹ لے لئے گئے اور سفر کے اخراجات وصول کرنے کے لئے انھیں مشقت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ والدین اپنے تین سے دس سال کے لڑکے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں اونٹ دوڑ کے لئے بیچتے رہے۔ حکام کے مطابق متحدہ عرب امارات میں اس طرح کے دو سے تین ہزار بچے موجود تھے، جنھیں اونٹ دوڑ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں سے عورتوں اور بچوں کو مشقت اور جنسی استحصال کے لئے شہروں میں لایا جاتا رہا۔ بعض اوقات خاندان والوں نے خواتین اور بچوں کو بطور غلام بیچ دیا اور بعض اوقات انھیں اغوا کیا گیا۔ مشرقی ایشیائی ملکوں اور بنگلہ دیش سے عورتوں کو اسمگل کر کے پاکستان لایا گیا

اور پھر یہاں سے مشرق وسطیٰ پہنچایا گیا۔ اسمگلروں نے اس کام کے لئے پولیس اور امیگریشن کے عملے کو رشوت بھی دی۔ سال کے دوران حکام نے کئی سرکاری افسران پر مقدمہ چلایا، اور ایف آئی اے کے بعض انسپکٹروں کو گرفتار کیا۔ تاہم اس طرح کی کارروائیوں اور اقدامات کی مکمل تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔

حکومت نے بعض اغوا شدگان کو رہا کرایا۔ اوورسیز پاکستانیز فاؤنڈیشن اور انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ نے مشرق وسطیٰ اسمگل کیے جانے والے تیرہ ہزار نو سو بڑسٹھ لوگوں کو وطن واپس بھجوایا۔ ان میں متحدہ عرب امارات میں اونٹ دوڑ میں استعمال ہونے والے ایک سو ستتالیس بچے اور عمان میں کام کرنے والے دس ہزار پانچ سو چوراسی مزدور شامل تھے۔ مارچ میں حکومت نے اسمگلنگ کا شکار ہونے والے لوگوں کے لئے پہلا ماڈل شیلٹر کھولا۔ مصیبت زدہ خواتین کی ہنگامی مدد کے ضلعی سطح کے دو سو چھہتر مراکز بھی کام کرتے رہے، جہاں خواتین کو پناہ دی گئی، اور ان کے علاج، تھوڑی بہت قانونی امداد اور پیشہ ورانہ تربیت کا انتظام کیا گیا۔ حکومت نے اسمگل ہونے والے غیر ملکیوں کو بھی عارضی سکونت کی اجازت دی۔ ایف آئی اے اور تارکین وطن کی عالمی تنظیم نے حکومت اور این جی اوز کے کارکنوں کو انسداد اسمگلنگ کے بارے میں تربیت دی اور ان کے لئے سیمینار منعقد کرائے۔ وزیر داخلہ نے ذاتی طور پر ان کوششوں میں حصہ لیا۔ ایسی بہت کم این جی اوز ہیں، جو صرف انسانی اسمگلنگ کے انسداد کے لئے کام کر رہی ہیں۔ تاہم کئی مقامی اور صوبائی این جی اوز نے متاثرہ افراد کو اور ان افراد کو، جن کے اسمگل ہونے کا زیادہ خطرہ تھا، پناہ فراہم کی۔

ایک خصوصی یونٹ قائم ہونے کی وجہ سے متاثرہ لوگوں کی دیکھ بھال میں کافی بہتری آئی۔ گزشتہ برسوں کے برعکس، سن 2005 میں ایسی کوئی اطلاعات نہیں ملیں کہ پولیس نے متاثرہ لوگوں سے جرائم پیشہ افراد جیسا سلوک کیا ہو یا انھیں بدکاری کے جرم میں مقدمہ چلانے کی دھمکی دی ہو۔ غیر ملکی متاثرین، خصوصاً بنگلہ دیشیوں کو وطن جانے میں مشکلات پیش آئیں۔ بیرون ملک اسمگل کی جانے والی اور جنسی استحصال کا شکار ہونے والی خواتین کو وطن واپسی پر سماجی امتیاز کا سامنا کرنا پڑا۔

سال کے دوران کئی این جی اوز نے انسانی اسمگلنگ کے بارے میں ورکشاپیں منعقد کیں اور حکومت اور این جی اوز نے اونٹ دوڑ میں استعمال ہونے والے بچوں کی حالت زار کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانے اور اس لعنت کے خاتمے کے لئے تشہیری مہم چلائی۔

## معذور افراد

حکومت نے عمارتوں میں معذوروں کی آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے یا انھیں سرکاری ملازمت دلانے کے لئے کوئی قانون سازی نہیں کی اور نہ کوئی حکم جاری کیا۔ بیشتر جسمانی اور ذہنی معذور افراد کی دیکھ بھال ان کے خاندان والوں نے کی۔ بعض معذوروں سے گداگری بھی کرائی گئی اور ان کی زیادہ تر آمدنی منظم جرائم پیشہ افراد نے وصول کی۔ ایک قانونی شرط کے تحت ضروری ہے کہ سرکاری اور پرائیویٹ ادارے، تربیت یافتہ معذور افراد کے لئے ملازمتوں میں کم از کم دو فیصد کوٹہ رکھیں۔ اگر کوئی ادارہ اس طرح کے افراد کو بھرتی نہ کرنا چاہتا ہو تو وہ ایک مخصوص رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا سکتا ہے، جو معذوروں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اس قانونی شرط پر بہت کم عمل کیا گیا۔ معذوروں کی بحالی کی قومی کونسل نے بعض معذوروں کے لئے روزگار اور قرضوں کا انتظام کیا۔ ذہنی بیمار قیدیوں کی دیکھ بھال پر مناسب توجہ نہیں دی گئی اور انھیں عام قیدیوں سے الگ نہیں رکھا گیا۔ (دیکھئے سیکشن ا۔ ج)

## دیگر سماجی زیادتیاں اور امتیازی سلوک

ہم جنسی ایک فوجداری جرم ہے، تاہم حکومت نے اس طرح کے جرائم پر شاذ و نادر عدالتی کارروائی کی۔

ہم جنس پرستوں نے اپنے جنسی رویے کا سرعام انکشاف نہیں کیا اور جنسی رویے کی بنیاد پر امتیازی سلوک کے بارے میں کوئی شکایات سامنے نہیں آئیں۔

ایچ آئی وی۔ ایڈز کے مریضوں کو سماجی امتیاز کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ حکومت نے اس مرض کے بارے میں شعور پیدا کرنے اور اس سے بچاؤ کے لئے مہم شروع

کررکھی ہے، لیکن اس سے مریضوں کے تحفظ میں زیادہ مدد نہیں ملی۔

شیعہ، عیسائی ہندو اور احمدی برادریوں سے امتیازی سلوک ہوتا رہا اور ان کے خلاف تشدد بھی ہوا۔ (دیکھئے سیکشن دو۔ ج)

## سیکشن چھ: محنت کشوں کے حقوق

### الف۔ تنظیم سازی کا حق

صنعتی تعلقات کے آرڈی ننس میں صنعتی کارکنوں کو یونین بنانے کا حق حاصل ہے۔ لازمی خدمات کے ایکٹ کو، جس کا اطلاق سیکورٹی فورسز، سرکاری ملازمین، محکمہ صحت کے کارکنوں اور پٹرولیم کمپنیوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کے محافظین پر ہوتا ہے، اکثر ہڑتالوں کی روک تھام یا اجتماعی سودا کاری کے حقوق محدود کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ کھیت مزدوروں، غیر تجارتی کام کرنے والے کارکنوں اور اساتذہ سمیت بہت سے لوگوں کو یونین سرگرمیوں کا حق حاصل نہیں۔ سرکاری اندازوں کے مطابق صنعتی مزدوروں میں سے دس فیصد اور کُل افرادی قوت میں سے تین فیصد، یونین کے ممبر تھے۔ تاہم یونینوں کا کہنا تھا کہ یہ تعداد گھٹا کر بتائی گئی ہے۔

### ب۔ اجتماعی سودا کاری اور منظم ہونے کا حق

جن شعبوں پر صنعتی تعلقات آرڈی ننس کا اطلاق ہوتا ہے، ان میں حکومت نے یونینوں کو کسی مداخلت کے بغیر سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دیئے رکھی۔ آرڈی ننس میں بعض پابندیوں کے ساتھ اجتماعی سودا کاری کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم ہڑتال کرنے کے یونینوں کے حق کو محدود کیا گیا ہے۔ آرڈی ننس میں کسی ادارے یا اداروں کے گروپ میں صرف ایک یونین اجتماعی سودا کار ایجنٹ کے طور پر کام کرسکتی ہے۔ اگر کہیں ایک سے زیادہ یونینیں موجود ہوں تو خفیہ رائے شماری کے ذریعے اس بات کا فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون سی یونین اجتماعی سودا کار کے طور پر کام کرسکتی ہے۔

مصالحت کی کارروائی اور جذبات ٹھنڈا ہونے کے عرصہ کے بارے میں قانونی تقاضے، ہڑتال کے حق کو محدود کرتے ہیں۔ اسی طرح حکومت کوئی ایسی ہڑتال ختم کرا سکتی ہے، جس سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو، قومی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے، یا یہ ہڑتال تیس دن سے جاری ہو۔ حکومت کو صنعتی تعلقات آرڈی ننس کے تحت، رفاہ عامہ کے اداروں میں ہر قسم کی ہڑتال پر پابندی لگانے کا اختیار حاصل ہے اور اس نے یہ اختیار استعمال بھی کیا۔ قانون میں آجر کسی قانونی ہڑتال کے لیڈروں کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کرسکتا، اور خلاف ورزی پر اس پر جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ قانون، غیر قانونی ہڑتال کے لیڈروں کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کرتا۔

سال کے دوران کئی چھوٹی موٹی ہڑتالیں ہوئیں۔ مئی اور جون میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن ورکرز یونینوں نے کمپنی کی نجکاری کے خلاف مختصر عرصے کے لئے ہڑتال کی۔ حکومت کو ساتھ مذاکرات کے بعد ہڑتالیں ختم ہوگئیں۔

قومی لیبر قوانین کے تحت ضروری ہے کہ حکومت ہر چھ ماہ بعد اس بات کا تعین کرے کہ آیا اجتماعی سودا کاری کی اجازت دی جائے یا نہیں۔ جن شعبوں میں اجتماعی سودا کاری کی ممانعت تھی، وہاں اسپیشل ویج بورڈز نے اجرتوں کے بارے میں فیصلے کئے۔ اس طرح کے بورڈ صوبائی سطح پر تشکیل دیئے گئے اور ان میں صنعت، لیبر اور صوبائی وزارت محنت کے نمائندے شامل کئے گئے۔ یونینوں نے عموماً بورڈز کے فیصلوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ صنعتی تعلقات کے قومی کمیشن میں تنازعات کا فیصلہ کیا گیا۔

پاکستان کے تین ایکسپورٹ پروسیسنگ زونز میں کام کرنے والے تقریباً ساڑھے بارہ ہزار کارکنوں پر لازمی خدمات کے ایکٹ کے تحت، ان حقوق کا اطلاق نہیں ہوتا، جو صنعتی تعلقات آرڈی ننس میں مزدور تنظیموں کے قیام کے لئے دیئے گئے ہیں۔ ایکسپورٹ پروسیسنگ زون اتھارٹی اپنے لئے لیبر قوانین خود بناتی ہے۔

## ج۔ جبری یالازمی مشقت کی ممانعت

قانون میں بچوں سمیت کسی سے جبری یالازمی مشقت لینے کی پابندی عائد ہے۔تاہم حکومت نے اس پابندی کوموثر طریقے سے نافذنہیں کیا۔جبری مشقت کے خاتمے کے ایکٹ کےتحت ہرقسم کی جبری مشقت ممنوع ہے۔جبری مشقت کے سلسلے میں تمام قرضے منسوخ کردیئے گئے ہیں؛اوران قرضوں کی وصولی کے لئے مقدمات دائر کرنے کی اجازت نہیں۔بچوں سے جبری مشقت لینے پر پانچ سال تک قیداورآٹھ سوڈالر(پچاس ہزارروپے)جرمانے کی سزادی جاسکتی ہے۔

جبری مشقت کرنے والوں کے بارے میں مستنداعدادوشمار دستیاب نہیں۔اندازاًپانچ سے بیس ملین لوگ جبری مشقت کررہے تھے۔یہ مشقت اینٹ،شیشہ،قالین اور ماہی گیری کی صنعت میں زیادہ تھی۔دیہی علاقوں خصوصاًسندھ کےضلع تھرپارکر میں زراعت اورتعمیرات کے شعبے میں جبری مشقت کامسئلہ وسیع پیانے پرموجودتھا۔جبری مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کاتعلق نچلی ذات کے ہندوؤں یااس ذات سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں اورعیسائیوں سے تھا۔جبری مزدوروں کواکثر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا قرضہ کب پوری طرح ختم ہوگا۔جومزدور بھاگ گئے تھے،ان کے مالکان نے ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں کیں۔بعض پابندمزدور،رہائی پانے کے بعددوبارہ سابقہ مالکان کے پاس واپس آگئے،کیونکہ ان کے پاس روزی کمانے کاکوئی متبادل ذریعہ نہیں تھا۔پولیس نے اگرچہ جبری مشقت کےقوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کوگرفتارکیا،لیکن ان میں سے کئی ایک پولیس کورشوت دے کرچھوٹ گئے۔انسانی حقوق کی تنظیموں نے بتایاکہ دیہی سندھ میں زمینداروں نے پچاس کےقریب نجی جیلیں بنارکھی ہیں،جہاں انھوں نے تقریباًساڑھے چار ہزارجبری مزدوروں کورکھاہواہے۔اس طرح کےزمینداروں اور بااثر سیاستدانوں کےدرمیان تعلقات نے جبری مشقت کےخاتمے میں رکاوٹ ڈالی۔

## د۔ بچوں کی مشقت کی ممانعت اورملازمت کے لئےکم سے کم عمرکی حد

حکومت نے مزدوربچوں کواستحصال سے بچانے کے لئےقوانین اورپالیسیاں نافذکررکھی ہیں؛تاہم ان پرعملدرآمد موثرطریقے سےنہیں کیاگیا،جس کی وجہ سےبچوں کی مشقت ایک سنگین مسئلےکی طور پرموجودرہی۔وزارت محنت نے بچوں کی مشقت کے سلسلے میں پینتیس خطرناک کاموں کی نشاندہی کی ہے۔ان میں گلیوں بازاروں میں سامان بیچنا،آلات جراحی کی تیاری،کھلےسمندر میں ماہی گیری،چمڑاسازی،خشت سازی اورقالین بافی شامل ہے۔زراعت اورگھریلو کام کاج کے لئے بچوں سے مشقت لینےکاعام رجحان پایاگیا۔

بچوں کی جبری اورلازمی مشقت،جنسی استحصال اوراسمگلنگ کےواقعات ہوتے رہے۔(دیکھئےسیکشن پانچ)

بچوں کوملازم رکھنے کےقانون میں کہاگیاہے کہ چودہ سال سے کم عمربچوں کوکارخانوں،کانوں اوردوسرےخطرناک کاموں کے لئے ملازم نہیں رکھاجاسکتا اورکام کرنے کی جگہوں کےحالات کے لئےبھی شرائط مقررکی گئی ہیں۔مثال کےطور پربچےکواوورٹائم یارات کےوقت کام کرنے کی اجازت نہیں۔بیشترضلعوں میں چائلڈلیبرانسپکٹروں کی تعدادکم تھی،اوراکثرانسپکٹروں کے پاس نہ تو مناسب وسائل تھےاورنہ وہ پوری طرح تربیت یافتہ تھے۔ان میں رشوت لینےکارجحان بھی موجودتھا۔قانون میں انسپکٹروں کوایسے کارخانوں کےمعائنے کی اجازت نہیں،جہاں دس سےکم مزدورکام کرتے ہوں۔زیادہ ترمشقت کرنے والے بچے اسی طرح کےکارخانوں میں کام کرتے ہیں۔

چائلڈلیبرقوانین کی خلاف ورزی پرسینکڑوں ملزمان کوعدالتوں کی طرف سے سزائیں دی گئیں،لیکن جرمانے کی کم مالیت کی وجہ سے۔۔۔جواوسطاًصوبہ سرحد میں چھ ڈالر(تین سوچونسٹھ روپے)سےلیکربلوچستان میں ایک سواکیس ڈالر(سات ہزاردوسواسی روپے)تک تھا۔۔۔سزاؤں سےکوئی خاص فرق نہیں پڑا۔بچوں کی ملازمت کےقانون کےتحت تین سوتینتیس ڈالر(بیس ہزارروپے)تک جرمانہ کیاجاسکتاہے۔کئی بارچائلڈلیبرقوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کوکوئی سزانہیں دی گئی۔

عالمی ادارہ محنت اوربچوں کی مشقت کےخاتمے کے بین الاقوامی پروگرام ILO-IPEC نے قالین بافی،آلات جراحی اورگہرےسمندر میں ماہی گیری کی صنعت میں بچوں کی مشقت کےخاتمے کے لئےکوششیں جاری رکھیں،اوربچوں کی مشقت کی بدترین صورتوں کوایک مقررہ مدت میں ختم کرنے کابھی ایک پروگرام شروع کیا۔اس نے

صنعتوں اور حکومت کے ساتھ مل کر نگرانی، تعلیمی سہولیات، بحالی اور بچوں کے افرادِ خانہ کو ملازمت دلانے کے ایک مشترکہ پروگرام کے ذریعے ان صنعتوں میں کام کرنے والے بچوں کو بتدریج وہاں سے نکالنے کے لئے بھی اقدامات کئے۔

## ہ۔ معقول حالات کار

غیر ہنرمند کارکن کی کم سے کم ماہانہ اجرت بیالیس ڈالر (ڈھائی ہزار روپے) تھی۔ اس اجرت کا اطلاق ان کارخانوں اور تجارتی اداروں پر ہوتا ہے، جہاں پچاس یا اس سے زیادہ کارکن کام کرتے ہیں۔ اس اجرت سے کوئی مزدور اپنا اور اپنے خاندان کا معقول معیارِ زندگی قائم نہیں رکھ سکتا۔ فیڈرل لیبر کوڈ کے تحت اضافی مراعات بھی دی جاتی ہیں، جن میں سرکاری چھٹی، اوور ٹائم کی تنخواہ، سالانہ چھٹی، بیماری کی چھٹی، علاج، بچوں کی تعلیم، سماجی تحفظ، بڑھاپے کی مراعات اور ورکرز ویلفیئر فنڈ شامل ہے۔

وفاقی قانون میں ایک ہفتے میں زیادہ سے زیادہ اوقاتِ کار اڑتالیس گھنٹے (موسمی فیکٹریوں میں چون گھنٹے) مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ قانون میں کام کے دوران آرام کا وقفہ اور تنخواہ کے ساتھ سالانہ چھٹیاں بھی شامل ہیں۔ ان قوانین کا اطلاق زرعی مزدوروں، گھریلو ملازمین اور کنٹریکٹ پر کام کرنے والے کارکنوں اور ایسی فیکٹریوں پر نہیں ہوتا، جہاں کارکنوں کی تعداد دس سے کم ہو۔

مزدوروں کی صحت اور حفاظت کے انتظامات ناقص تھے۔ کانوں میں صحت اور حفاظت سے متعلق قوانین پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔ کئی کانوں میں آنے جانے اور ہوا کے لئے ایک ہی راستہ تھا۔ اگر کارکن خطرناک حالات میں کام سے انکار کریں تو ان کی ملازمت چلی جانے کا خطرہ تھا۔

لیبر قوانین پر عملدرآمد کرانا زیادہ تر صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ وسائل کی کمی، کرپشن اور نگرانی کے مناسب انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے ان قوانین پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔ بہت سے مزدوروں کو اپنے حقوق کا علم ہی نہیں تھا۔